مغربی تہذیب وفلسفہ: زبانوں کا قاتل

فشطالوی زبان آبادی کم ہونے سے فنا ہو جائے گی

خاندانی نظام کے خاتمے نے زبانوں کو ختم کر دیا

رومانس، مینکس اور کورنس زبانیں مر رہی ہیں

عالمگیریت، سرمایہ داری، آزادی اور آزادئ اظہار رائے کا طوفان مذاہب، تہذیبوں، ثقافتوں اور زبانوں کے لیے ایک خطرہ بن چکا ہے۔ دنیا بھر کے معاشروں میں کروڑوں سال سے موجود تنوع اور رنگارنگی، عالمگیریت اور سرمایہ دارانہ ثقافت وتہذیب کے استعماری غلبے کے باعث اپنا وجود کھو رہے ہیں جس کے نتیجے میں زبانیں تیزی سے مر رہی ہیں اور تہذیبیں اپنی شناخت کھوتی جا رہی ہیں۔ مذہب، ثقافت اور تہذیب کے تمام ڈھانچے تیزی سے سرمایہ داری کے سانچے میں ڈھالے جا رہے ہیں یا خود بخود ڈھلنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ مغربی تہذیب کے غلبے کے باعث خاندانی نظام زبردست شکست وریخت کا شکار ہے۔ خواہشاتِ نفس کی ہر صورت میں تکمیل تہذیبِ جدید کا فلسفہ ہے اور اس فلسفے پر عمل کے باعث خاندان اور قبیلے اپنے قدیم مقامات چھوڑ کر رزق کی تلاش میں ترکِ وطن کر رہے ہیں۔ اعلیٰ معیارِ زندگی کی تلاش کے باعث خاندان دن بدن مختصر ہوتے جا رہے ہیں۔ مختصر خاندان آبادی کے خطرے سے بچنے کے لیے اُمید کی علامت سمجھے گئے لیکن اس کے نتیجے میں زبانوں کو زوال کا سامنا کرنا پڑا۔ یورپ اور امریکہ میں آبادی کی شرح تیزی سے کم ہونے کے باعث معیارِ زندگی میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے لیکن دنیا بھر میں سب سے زیادہ زبانوں کے لیے خطرات یورپ اور امریکہ میں پیدا ہوئے۔ افریقہ میں بھی زبانیں ختم ہو رہی ہیں۔ ایک ہزار چار سو زبانوں میں سے صرف آٹھ سو زبانیں باقی رہ گئی ہیں اس کی وجہ مختلف ہے۔ امریکہ کے قدیم باشندوں کی ایک ہزار زبانیں موجود تھیں لیکن اب ان زبانوں کی تعداد صرف ۱۵۰

Quran

رہ گئی ہے۔ یورپ کی ۲۲۵ زبانوں میں سے ۵۰ زبانیں سنگین خطرات کا شکار ہیں۔کینیڈا کی حکومت کئی سالوں سے زبانوں کے تحفظ کے لیے اپنے قومی میزانیے میں بھاری رقومات مختص کر رہی ہے جس کے نتیجے میں کئی زبانیں محفوظ ہوگئی ہیں لیکن مصنوعی حفاظت کا یہ نظام کتنے برس چل سکے گا اس سوال کا جواب بہت مشکل نہیں۔سوئٹزرلینڈ میں رومانس زبان (Romance) مسلسل خطرے میں ہے۔ دنیا کے مختلف خطوں میں رسم الخط کی جبری اور رضا کارانہ تبدیلی کے باعث وہ قومیں اپنی تاریخ اور ماضی کے علوم وادبیات دانش وتجربات سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محروم کی جارہی ہیں۔ایسی قومیں وجود پذیر ہورہی ہیں جن کا کوئی ماضی نہیں ہوگا نہ تاریخ یہ زندگی کا سفر سرمایہ داری کی ثقافت کے جلو میں طے کریں گی۔حیرت یہ ہے کہ کمپیوٹر،انٹرنیٹ اور ذرائع ابلاغ کی سہولیات کے باعث نئی زبانیں وجود میں آنے کے بجائے پرانی زبانیں نہایت تیزی کے ساتھ فنا کے گھاٹ اتر رہی ہیں اور اکثر طاقت کے زور پر اس گھاٹ اتاری جارہی ہیں۔ثقافتی استعماریت،عسکری استعماریت کے پہلو بہ پہلو دنیا بھر میں تاخت و تاراج میں مصروف ہے۔زبانوں کی تاریخ کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ زبانیں عموماً ۵۰۰ سال کے بعد تبدیل ہوجاتی ہیں۔۷۰۰ برس پہلے کی انگریزی کا متن آج کوئی انگریز نہیں پڑھ سکتا۔مشہور انگریز شاعر چاسر (Chaucer) کی نظمیں اس کے آبائی شہر لندن میں ہر شخص سمجھنے سے قاصر ہے۔ ہندو مذہب کے علماء سنسکرت کے عالم نہیں ہوتے یہودی،عیسائی مذہب کے علماء عبرانی و یونانی زبان کے عالم نہیں ہوتے، جو ان کے مذہبی صحائف کی زبانیں ہیں، اس کے برعکس مسلمانوں کے تمام علماء عربی اور فارسی زبانوں سے عموماً واقف ہوتے ہیں، یہ واقفیت قرآن وسنت کی برکت سے ابد تک قائم رہے گی۔عربی دنیا کی واحد زبان ہے جو آج بھی پہلے کی طرح تر وتازہ ہے اور شکست و ریخت کے عمل سے محفوظ ہے۔اس کا رسم الخط، ذخیرۂ الفاظ قواعد وضوابط کے اصول آج بھی وہی ہیں،اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ عربی زبان کا زندہ تعلق قرآن کریم کے ذریعے امت مسلمہ کی عبادات کا حصہ بن چکا ہے اور عبادات و مناجات کے لیے عربی زبان کا لازمی ہونا اس زبان کے فروغ اور ارتقاء کا سبب ہے جس کے باعث قرآن کے متن میں کسی تبدیلی کی کوشش ہمیشہ ناکام رہے گی۔عربی زبان دنیا کی واحد زبان ہے جس کے دوسو، ڈھائی سو الفاظ دنیا کے کسی بھی خطے میں رہنے والا ایک عام مسلمان بھی سمجھتا ہے خواہ وہ کسی نسل اور کسی زبان سے تعلق رکھتا ہو۔ پیغام رسالت مآبؐ کی طرح عربی زبان بھی زباں ومکاں سے ماوراء ہوگئی ہے۔

دنیا کا ہر مسلمان عربی اصطلاحات الفاظ اور عبارتوں سے واقف بلکہ ان کا حافظ بھی ہے لہٰذا اذان، سلام،مسنون،وضو،سورہ فاتحہ،تکبیر،الحمداللہ،استغفر اللہ،ماشاءاللہ، چند بنیادی سورتیں،ایمان وعقائد سے متعلق چند ضروری باتیں، دعائیں،مناجات اور معاشرت کے بعض اہم مسائل سے متعلق عربی اصطلاحات مثلاً نکاح، طلاق،میراث،عدت وغیرہ وغیرہ۔ ہر مسلمان کے لیے عام باتیں ہیں۔اس کے برعکس انجیل اور تورات جن کی

اصل زبان ان مذاہب کے علماء کے مطابق عبرانی تھی مگر اب عام یہودی وعیسائی تو درکنار ان مذاہب کے علماء و فضلاء بھی خال خال ہی اس کو جانتے ہیں۔ یہی حال ہندومت کی زبان سنسکرت کا ہے عبرانی اور سنسکرت کو چند عشروں قبل اسرائیل اور ہندوستان میں زندہ کرنے کی بھرپور کوششیں شروع کی گئیں جس کے نتیجے میں ان زبانو ں کے علماء کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے اور عبرانی اور سنسکرت پر ایک مرتبہ پھر توجہ مبذول ہوگئی ہے۔ بھارت میں ''سنسکرت گرام'' کے چھوٹے چھوٹے قصبے بنائے گئے جہاں سنسکرت کو رائج کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہ قصبے جنوبی بھارت میں بنائے گئے کیوں کہ جنوبی بھارت میں دراوڑ قوم بستی ہے اور وہاں خاندانی نظام بہت مضبوط ہے اور زبانیں خاندانی نظام میں تیزی سے پنپتی ہیں اور زندہ رہتی ہیں۔ یورپ اور امریکہ میں زبانوں کے ختم ہونے کا ایک اہم ترین سبب قدیم نسلوں کا بے دریغ قتل عام، خواہشات نفس کا غلبہ، خاندانی نظام کا انہدام اور خاندانی منصوبہ بندی کا فروغ ہے۔ خاندان اور خاندانی نظام سے دوری نے آج دنیا کی اہم ترین زبان ہسپانوی کے ادبی لہجے ''قشطالوی'' (Castillian) کو معدومی کے کنارے پر لا کھڑا کیا ہے۔ ہسپانیہ میں ''ایک ماں ایک بچے'' کا مغربی فلسفہ مقبولیت اختیار کر چکا ہے۔ جس کے باعث خطرہ ہے کہ سن دو ہزار پچاس تک ہسپانیہ کا یہ معیاری اور معلّٰی لہجہ ختم ہوجائے گا۔ انگلستان کے جزیرہ (Isle of Man) کی زبان Manx کا خاتمہ زیادہ پرانی بات نہیں ہے جب کہ کورنش (Cornish) کے بولنے والے برائے نام رہ گئے ہیں۔ ثقافتی، فکری اور لسانی استعماریت کی عالمگیر جنگ جو نوآبادی نظام کے قیام کے ساتھ ہی المانوی، فرانسیسی، ولندیزی اور برطانوی استعمار نے شروع کی تھی اب برگ و بار لا رہی ہے۔ زبانوں اور ثقافتوں کی موت کا اعلان کر رہی ہے۔ ایک زبان کی موت ایک عظیم تاریخی ورثے کی موت ہے لیکن اس موت پر رونے والا کوئی نہیں ہے، کسی کی آنکھ میں کوئی آنسو نہیں ہے۔

دنیا میں اس وقت کل بولی جانے والی پانچ ہزار سے زائد زبانوں میں سے ۳ ہزار زبانیں تیزی کے ساتھ زوال کا شکار ہیں زبانوں کے تحفظ کے اعتبار سے برعظیم پاک و ہند دنیا بھر میں سرفہرست ہے۔ آریاؤں کی یلغار کے بعد برعظیم کی قدیم ترین نسل دراوڑی تتر بتر کر دیے گئے لیکن اپنی تہذیب، ثقافت اور زبان کی حفاظت کے لیے دراوڑیوں کے منتشر قافلے دور دراز خطوں اور فلک بوس پہاڑوں کے دامن میں آباد ہوگئے۔ سنسکرت کو دراوڑیوں کا رسم الخط ''گرنتھا'' اختیار کرنا پڑا اور دراوڑی سلسلوں کی زبانیں تیلگو، تامل، کنڑ، ملیالم اور براہوی زبانوں کی شکل میں آج بھی محفوظ ہیں اس کی بنیادی وجہ دراوڑیوں کا مضبوط قبائلی اور خاندانی نظام تھا جس نے ان کی اجتماعیت کو شدید ترین حملوں کے باوجود زندہ رکھا اور خاندان کے مضبوط ادارے نے ان کی زبان کو کتبات، کتابوں، مخطوطات، نوشتوں اور مہروں کے بغیر نسل در نسل تک خالہ پھوپھی، چچی، نانی، دادی کے رشتوں کے ذریعے بہ حفاظت دوسری نسلوں تک منتقل کیا۔

بچپن کی لوریاں، سونے سے پہلے سنائی جانے والی خوبصورت کہانیاں، درد وفراق اور ہجر کے گیت ،زندگی میں رنگ گھولنے کے لیے خوبصورت داستانیں اور لوک کہانیاں دراوڑیوں کی زبان کو آج بھی زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ تاملوں (دراوڑیوں) کے مضبوط خاندانی نظام، اجتماعیت اور روایات سے گہرے تعلق نے ان کی ثقافت وزبان سے محبت کو برقرار رکھا جس کی وجہ سے آج تامل زبان ملیشیا، سنگاپور اور سری لنکا کی قومی زبانوں کا درجہ رکھتی ہے۔ مغرب میں خاندان کا ادارہ ختم ہوا تو دادی نانی تو کجا اب تو ماں باپ بھی قصۂ پارینہ بن چکے لہٰذا زبانوں کا خاتمہ ایک فطری عمل ہے جو تہذیبِ مغرب کو اختیار کرنے کے نتیجے میں لازماً وقوع پذیر ہو کر رہے گا۔

ہماری معلومات کے مطابق سترہویں صدی میں نشاۃ ثانیہ کی تحریک کے بعد علوم وفنون اور ابلاغی انقلاب کی عالمگیریت اور سائنس کی زبردست ترقی کے باوجود دنیا میں کسی نئی زبان کا اضافہ نہیں ہوسکا اور قدیم بولیاں تک رسم الخط اختیار کر کے زبان نہیں بن سکیں حالانکہ ذرائع ابلاغیات اور کمپیوٹر کی ایجاد کے بعد زبانوں کی تعداد میں اضافہ ہونا چاہیے تھا۔ نئی زبانوں کی اہمیت کو مغرب میں محسوس کیا گیا لیکن تخلیق کے فطری اداروں کو چھوڑ کر مصنوعی طریقے اختیار کر کے مصنوعی زبان تیار کی گئیں۔ اسپرانتو، اوکسی دینتال، انترلینگوا، وولاپوک وغیرہ اس کی مثالیں ہیں لیکن ان کا انجام ''ڈولی'' (مصنوعی بھیڑ) اور ٹیسٹ ٹیوٹ بے بی کی طرح اپنے انجام کو پہنچا۔

اس سلسلے میں واحد استثناء بروشسکی زبان کا ہے جو صدیوں تک بولی جاتی رہی لیکن اردو عربی رسم الخط اختیار کرنے کے بعد اب مکمل زبان کا درجہ اختیار کر چکی ہے۔ یہ زبان رومن اور عربی رسم الخط میں لکھی جارہی ہے۔ لیکن اس زبان کا تعلق بھی برعظیم پاک وہند سے ہے اور اس زبان کے فروغ میں اسمٰعیلی برادری کا خصوصی حصہ ہے کیوں کہ بروشسکی بولنے والوں کی اکثریت مذہب اسمٰعیلی کی پیروکار ہے۔ جامعہ کراچی میں پروفیسر سحر انٹاری نے ایک علمی نشست میں بروشسکی زبان پر گفتگو کے بعد پروفیسر اسحاق منصوری کے ایک سوال کے جواب میں اس خدشے سے اتفاق کیا تھا کہ بروشسکی کا فروغ ایک اہم معاملہ ہے اور غالباً اسمٰعیلی ریاست کے قیام کے لیے اس زبان پر خصوصی توجہ دی جارہی ہے۔

برعظیم کی زبانوں میں ایک نئی زبان کا اضافہ اس دعوے کا ثبوت ہے کہ ایشیا مذاہب، تہذیب اور زبانوں کا آج بھی گہوارہ ہے۔

Quran

استعماری طاقتوں کے ہاتھوں زبانوں کا قتل عام

روسی امریکی، برطانوی ہندو استعماری طاقتوں کی کہانی

لغت کا کام عام طور سے لفظوں کے معنی بتانا سمجھا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ قوموں کی طرح قوموں سے متعلق زبانیں اور بولیاں بھی مستقل تاریخ رکھتی ہیں۔ بہت سے الفاظ کو تاریخی جبر کے نتیجے میں متروکات کی صف میں داخل کیا گیا۔ یہ متروکات اس تاریخ سے نقاب الٹتے ہیں جو اب فراموش شدہ ماضی کا بھیانک خواب بن گئی ہے۔ یہ تاریخی عمل فطری طور پر بھی رونما ہوتا ہے اور غیر فطری طور پر بھی، حالات اور تاریخ کے جبر کے باعث بھی اور بعض مرتبہ اندوہناک حادثات اور سانحات صرف لفظوں کو نہیں بلکہ زبانوں کو متروک قرار دینے کا باعث بنتے ہیں۔ ایشیا، وسط ایشیا، یورپ، ترکی، ایران، افریقہ، اطالیہ، براعظم امریکا میں الفاظ سے لے کر زبانیں تک مختلف مراحل سے گزریں اور گزر رہی ہیں کسی لفظ یا چند الفاظ کا متروک ہو جانا یا انھیں زبردستی متروک قرار دینا یا فطری طور پر ان کا متروک ٹھہرنا انتہائی اہمیت کا معاملہ نہیں، یہ صورت حال تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف زمانوں اور زبانوں، مختلف نسلوں اور مختلف قوموں کو درپیش ہوتی ہے اور اس صورت حال کی بے شمار وجوہات ہیں۔ کہیں استعماریت کے باعث، کہیں محض عصبیت اور مذہبی عصبیت کے سبب کہیں اپنی زبانوں اور روایات پر فخر و مباہات کی وجہ سے لفظوں اور زبانوں کو متروک کرنے کا عمل جاری و ساری رہتا ہے۔ لیکن تاریخ کا خوفناک ترین باب زبانوں کو متروک کرنے کے لیے نسلوں کو تہہ تیغ کرنے اور قبیلوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی خوں ریز کہانیوں سے رنگین ہے۔

زبانوں کا قتل عام:

امریکی [American]، برطانوی [British]، ولندیزی [Dutch]، بیلیج [Belgian]، المانوی [German]، اطالوی [Italian]، روسی [Russian]، ہسپانوی

Quran

[Spanish]، ہندو [Hindu]، پرتگیزی [Portuguese]، ہندو [Hindu]، فرانسیسی [French]، ہسپانوی [Spanish]، استعمار کی تاریخ رسم الخط اور زبانوں کے قتل سے لہولہو ہے۔ ان استعماری طاقتوں نے اپنی نو آبادیات اور زیر تسلط علاقوں میں قدیم تہذیبوں، تمدنوں، مذاہب، نسلوں اور زبانوں کو کس طرح برباد کیا اس کی ایک طویل تاریخ ہے۔

امریکی استعمار اور زبانیں: الحج ۱۴۲۵ھ

جمہوریت، انسانیت اور انسانی حقوق کے سب سے بڑے علمبردار امریکی استعمار کی تاریخ تاریخ انسانیت میں سب سے زیادہ خوں ریز تاریخ ہے۔ اس تاریخ کی بنیاد ساٹھ لاکھ سرخ ہندیوں (ریڈ انڈینز) کے خون پر رکھی گئی ہے جنھیں وحشی، جنگلی اور درندے قرار دے کر قتل کر دیا گیا۔ جب نسلیں ہی متروک ہوگئیں تو سرخ ہندیوں کی ۲۰۰ سے زائد زبانیں زبان خود بخود متروکات کا درجہ اختیار کر کے تاریخ کے صفحات سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مٹ گئیں۔

کیلی فورنیا میں زبانوں کا قتل:

امریکا کے اصل باشندوں سرخ ہندیوں کی زبانیں نوہاٹلا (Nauhatl)، موہاک (Mowhawk)، موہابے (Mojave)، نباہو (Navajo)، چوکٹا (Choctow)، پیما (Pima)، ہوپی (Hopi) کو فنا کر دیا گیا۔ امریکی ریاست کیلی فورنیا جہاں زبانوں کے کئی بڑے گروہ پائے جاتے تھے وہاں سفاکی اور درندگی کا ایسا مظاہرہ کیا گیا کہ تاریخ نے اس ریاست کا نام جس کا مطلب ہسپانوی زبان میں خوابناک سونے کی سرزمین تھا ''زبانوں کا قبرستان'' رکھ دیا جہاں سترہ بڑے لسانی گروہوں کی دوسو کے قریب زبانیں اور بولیاں تھیں، وہاں آج صرف دو زبانیں باقی رہ گئی ہیں۔

اطالوی استعمار اور زبانیں:

اطالوی استعمار نے ایتھوپیا، صومالیہ، لیبیا پر قبضہ کیا۔ مقبوضات میں عربی رسم الخط کو ختم کر کے لاطینی رسم الخط جبراً نافذ کیا۔ لیبیا پر سرکاری زبان کے طور پر اطالوی زبان کا جبراً نفاذ کرایا گیا۔ ایتھوپیا کی زبان Amheric میں جبراً اطالوی الفاظ داخل کیے گئے۔ مگر یہ کوشش ناکام ہوئی۔ یہ افریقہ کی واحد سامی النسل زبان تھی جو محفوظ رہی۔ اب لیبیا میں عربی زبان نافذ ہے اطالوی زبان ختم ہوگئی۔ صومالیہ میں عربی اور صومالی زبانیں آج بھی موجود ہیں۔

زائرے (Zaire) پر بیلجیئم کا قبضہ ہوگیا۔ اس کا نام بلجین کانگو رکھا گیا اور یہاں کی زبان بھی

تبدیل کردی گئی۔

فرانسیسی استعمار اور زبانیں:

الجزائر فرانس کی نوآبادیات تھا، زائر میں بنٹو زبانیں ہوتو اور تتسی بولی جاتی تھیں لیکن جبراً یہاں کی سرکاری زبان فرانسیسی قرار دی گئی۔ الجزائر میں بھی فرانسیسی کو جبراً سرکاری زبان قرار دیا گیا۔ پانڈیچری، مدغاسکر، سینی گال اور مغرب اقصی فرانس کی نوآبادیات بن گئیں۔ یہاں فرانسیسی زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ مقامی زبانوں کو بھی زندہ رکھا گیا۔ براعظم افریقہ میں عربی کی آمیزش کے ساتھ جو فرانسیسی بولی جاتی ہے اسے کریپو (Crepus) کہتے ہیں۔ یہاں پر فرانسیسی زبان نے عربی کا اثر قبول کیا۔

ولندیزی استعمار اور زبانیں:

ولندیزیوں نے انڈونیشیا پر قبضہ کیا تو وہاں کی زبان پر جبراً اثر انداز ہوئے۔ Bahasa کا رسم الخط عربی سے جبراً لاطینی میں تبدیل کیا گیا۔ بہاسا زبان ملایو پولی نیشیا اور سنسکرت زبان کا سنگم ہے۔ قبول اسلام کے بعد اس کا رسم الخط فطری طور پر عربی ہو گیا تھا۔

جاوا جزیرے کی بوگونی اور بالینی زبانوں کے خود ساختہ رسم الخط تھے۔ یہ جزیرے دو مختلف مذاہب بدھ مت ہندومت اور ثقافتوں کے مراکز تھے۔ ولندیزی استعمار نے انھیں بھی جبراً تبدیل کرنے کی کوشش کی۔ جزائر کیبرین پر ولندیزیوں کا قبضہ ہوا تو یہاں افریقی لوگوں کو بسایا گیا اور ٹاکی ٹا کی اور پولس موٹو زبان متعارف کر کے لاطینی زبان و رسم الخط کا نفاذ کیا گیا۔ ہالینڈ کے استعمار کا جنوبی افریقہ پر قبضہ رہا وہاں زولو اور سوتھو زبانیں بولی جاتی تھیں۔ ولندیزی، انگریزی اور جرمن الفاظ داخل کر کے اس کا نام بھی افریکانز کر دیا گیا۔ اب یہ ایک انڈو یوروپی زبان بن گئی ہے۔

ڈچ استعمار اور زبانیں:

ڈچ استعمار نے سوری نام (جنوبی امریکہ) پر قبضہ کیا تو اردو، ہندی، تامل زبانوں کا رسم الخط لاطینی کر دیا گیا اور اس ملک کا نام ہالینڈ نے ڈچ گیانا رکھا تھا جسے اب سوری نام میں بدل دیا گیا ہے۔

پرتگالی استعمار اور زبانیں:

پرتگالی استعمار گوا پر قابض ہوا۔ گوا بے جاپور ریاست کا حصہ تھی یہاں قبضے کے بعد کونکنی زبان کے عربی رسم الخط کو ختم کر کے لاطینی رسم الخط نافذ کیا گیا۔ برازیل پر قبضہ کر کے وہاں بھی پرتگالی زبان جبراً رائج کی گئی۔

انگریزی استعمار اور زبانیں:

انگریزی استعمار نے برعظیم پاک و ہند پر قبضہ کیا تو فارسی ختم کر کے اردو کو متوازی زبان کے طور پر ترقی دی اور اردو اور انگریزی کو رائج کیا گیا۔ ملائیشیا میں ملایا زبان کے عربی رسم الخط کو ختم کر کے لاطینی رسم الخط نافذ کیا، مالٹا میں سامی النسل قدیم زبانوں کو ختم کر دیا گیا۔ Maltese کا قدیم رسم الخط عربی تھا اور اس کا رسم الخط بھی جبراً لاطینی کر دیا گیا اور تمام آبادی کو عیسائی بنا دیا گیا۔ انگریز سامراج نے براعظم آسٹریلیا کو اپنی پشت در پشت کی جاگیر سمجھ کر خوب لوٹا۔ وہاں کے مقامی قبائل (Aborigin) کو غلام بنایا، بے دریغ قتل عام کیا، ان کی زبانوں کو متروکات کا درجہ دیا، انگریزی کو فروغ دیا، اسکولوں میں زبان تدریس انگریزی کو رکھا گیا۔ انگریزی ادب کو عظیم ادب کے طور پر پیش کیا گیا جس کی وجہ سے وہاں کے مقامی لوگ اپنی زبانوں کو بھولتے چلے گئے۔ مقامی زبانیں لکھی نہیں جاتیں مگر ان کی تعداد کئی سو ہے جس کی صحیح گنتی بھی شاید استعمار نے کرنے کی کوشش نہیں کی۔ کچھ زبانوں کے بولنے والوں کی تعداد اب صرف ۵۰۔

ماہرین ارضیات کے مطابق براعظم آسٹریلیا کی سرزمین دنیا کی قدیم ترین ساخت کی حامل ہے جو آج سے تقریباً ۴ارب ۶۰ کروڑ سال سے ۵۷ کروڑ سال پہلے معرضِ وجود میں آئی۔

انگریزوں کی آمد سے سینکڑوں سال پہلے یہاں کے شمالی ساحلوں پر چینی اور انڈونیشیائی اقوام کا آنا جانا رہتا تھا۔ انگریزوں کی آمد یہاں ایبل تسمان سے شروع ہوتی ہے۔ ایبل تسمان نے ۱۶۴۲ اور ۱۶۴۴ میں اور جیمز کک نے ۱۷۷۰ میں اس برِ اعظم کو تسخیر کیا لیکن کیپٹن آرتھر فلیپ نے ۱۷۸۸ میں یہاں نوآبادیات قائم کرنے کا سلسلہ حقیقی معنوں میں شروع کیا۔

جزیرہ تسمانیہ کے لوگوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا:

براعظم آسٹریلیا کی زبانوں کے ساتھ ساتھ باشندوں کے خاتمے کا پہلا قدم جزیرہ تسمانیہ میں اٹھایا گیا۔ اٹھارہویں صدی کے درمیان ہی جزیرۂ تسمانیہ کے تمام مقامی لوگوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا۔ آسٹریلیا کے اصل باشندوں کے خلاف امتیازی قوانین تیار کیے گئے جو ۱۹۶۰ تک روبہ عمل رہے لیکن ان قوانین کو وہاں کی انسانی حقوق کی تنظیموں کے احتجاج کے بعد ۱۹۶۰ کے عشرے میں منسوخ کرنا پڑا لیکن اس تنسیخ سے کوئینز لینڈ مستثنیٰ رہا۔ آسٹریلیا کی ۸ ریاستیں ہیں۔ مقامی لوگوں کی آبادی آسٹریلیا کے شمال اور شمال مشرقی حصے میں زیادہ بستی ہے۔

آسٹریلیا کی ۲۳۵ زبانیں موت کی دہلیز پر:

آسٹریلیا کی تقریباً ۲۶۸ زبانوں میں سے ۲۳۵ زندہ ہیں اور ۳۱ مر چکی ہیں لیکن بقیہ ۲۳۵ زبانیں بھی

موت کی دہلیز پر آخری سانسیں گن رہی ہیں۔ان زبانوں میں صرف چند ہی ایسی ہوں گی جن کے بولنے والے ہزار یا ڈیڑھ ہزار کے قریب ہوں گے لیکن باقی تمام زبانوں کے بولنے والوں کی تعداد تین چار یا دس بیس سے زیادہ نہیں۔

شمالی صوبہ کوئنز لینڈ:

سرکاری سرپرستی میں آسٹریلیا کے اصل مگر نہتے باشندوں کا قتل عام اور استحصال ۱۹۶۰ تک آسٹریلیا میں ہوتا رہا،عوامی دباؤ کے باعث حکومت نے اسکول میں داخلہ اور دفاتر میں نوکری وغیرہ کے حقوق مجبوراً بحال کیے لیکن شمالی صوبہ کوئنز لینڈ کو اس سے مستثنیٰ رکھا گیا۔ یہ صوبہ شمال میں ہے جہاں پر آج بھی آسٹریلیا کی معدوم ہونے والی زیادہ تر زبانیں ہیں۔ ریاستِ وکٹوریہ میں جو جنوب مغرب میں ہے آج بھی ان مقامی لوگوں کو حق ملکیت حاصل نہیں، یہاں جن علاقوں میں یہ لوگ محصور ہیں یا محدود ہیں،ان علاقوں میں اصل باشندے زمین کی ملکیت نہیں رکھ سکتے نہ انھیں خریدنے کی اجازت ہے۔ یہ ریاست یہاں کی امیر ریاست ہے اور سفید فام نسل کے لوگ یہاں زیادہ بستے ہیں۔

قدیم باشندوں کے حقوق ۲۰۰۴ء میں معطل:

دسمبر ۲۰۰۴ء میں رائیٹر (Reuters) نیوز ایجنسی نے یہ خبر دی کہ آسٹریلیا کے وزیر اعظم ہاورڈ نے مقامی لوگوں کو تحفظ دینے اور ان کی زبانوں کو بچانے کے لیے ان کے علاقوں میں رات کا کرفیو نافذ کر دیا ہے اور شراب کی فروخت ممنوع قرار دی گئی ہے۔

زبانوں کو مٹانے کے بعد تحفظ کی تحریک:

۱۹۶۰ء میں قائم آسٹریلیائی ادارہ برائے مطالعاتِ باشندگان اصل (Australian Institute of Aboriginal Studies) نے ان مقامی زبانوں پر تحقیق کے کام کا آغاز کیا یہ ادارہ دارالحکومت کینبرا میں ہے۔ یہ ادارہ وقتاً فوقتاً زبانوں کے بچاؤ کے لیے کام کرتا ہے جن میں مختلف زبانوں کو محفوظ کرنا،ان کے نغموں اور لوریوں کو صوتی انداز میں ریکارڈ کرنا وغیرہ شامل ہے۔ دو صدیوں تک زبانوں کا قتل عام کرنے کے بعد ان کی حفاظت کا انوکھا اور اچھوتا خیال جدیدیت اور انسانیت کی عریب وغریب شکل ہے۔ پہلے باشندوں کو قتل کیا گیا جو بچ گئے ان کی زبانوں کو مٹایا گیا اور اب عالمی انسانی وتہذیبی ورثے کے تحفظ کے نام پر زبانوں کی حفاظت کے منصوبوں کے ذریعے اپنی انسانیت کے گن گائے جا رہے ہیں۔

آسٹریلیا کی تمام زبانیں ذخیرۂ الفاظ کے لحاظ سے ایک دوسرے سے کافی حد تک مشابہ ہیں۔

Quran

ماہرینِ لسانیات کا خیال ہے کہ آج سے ۵ ہزار سال پہلے یہ تمام زبانیں ایک بڑی زبان تھی۔ ان تمام زبانوں کے لسانی و ثقافتی روابط انڈونیشیائی اور پاپوا نئی گنی (Papua New Guinea) کی زبانوں سے بھی ملتے ہیں۔ لیکن ان دونوں ممالک میں تو یہ زبانیں خوب پھل پھول رہی ہیں لیکن آسٹریلیا میں انھیں تہس نہس کر دیا گیا ہے۔

مٹائی جانے والی زبانوں کی فہرست:

ذیل میں آسٹریلیا کی ایسی زبانوں کے نام دیے جا رہے ہیں جن کے بولنے والوں کی تعداد صرف چند نفوس ہے اور اس مضمون کی اشاعت تک ان میں سے کتنی ہی زبانیں معدوم ہو چکی ہوں گی:

۱۔ ادینیا ماتھن ہا (Adynyamathanha): یہ زبان آسٹریلیا کے جنوب میں بولی جاتی تھی اب وہاں اس کے بولنے والے صرف ۲۰ ہیں۔

امی (Ami) اس کے بولنے والے ۳۰ ہیں اور یہ شمال میں ڈارون میں بستے ہیں۔

۲۔ الاوا (Alawa): شمالی علاقے میں بولی جاتی ہے اور بولنے والوں کی تعداد ۱۷ سے ۲۰ تک ہے۔

۳۔ ارابانا (Arabana): سن ۱۹۸۱ میں اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد ۸ تھی اور یہ لوگ جنوب میں بڑڈزوِل، جھیل آئری (Lake Eyre) کے مغربی حصے میں بستے ہیں۔

۴۔ النگِت (Alngith): آسٹریلیا کے شمال مشرق علاقے جزیرہ نما کیپ یارک میں اس کے بولنے والے اب صرف ۳ کی تعداد میں ہیں۔

۵۔ اندے گیرے بن ہا (Andegerebinha): بولنے والوں کی تعداد ۱۰ یا اس سے کم ہے۔ شمالی علاقے میں بولی جاتی ہے۔

۶۔ انتا کارن یا (Antakarinya) جنوبی آسٹریلیا کے شمال مشرق میں یہ لوگ بستے ہیں اور ان کی تعداد ۵۰ کے قریب ہے۔

۷۔ امارگ (Amarag): شمالی علاقہ میں صرف چند بولنے والے ہیں یہ زبان فوری معدوم ہونے والی ہے۔

۸۔ اریبا (Areba): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد ۲ ہے جو شمال مشرق میں کوئنز لینڈ کے جزیرہ نما کیپ یارک میں بستے ہیں۔

۸۔ اتمپایا (Atampaya): ۴، ایلی یٹ کریک (Eliot Creek) کوئنز لینڈ۔

۹۔ ایابادھو (Ayabadhu): بولنے والوں کی تعداد ۶ ہے اور یہ لوگ بھی شمالی آسٹریلیا میں جزیرہ نما کیپ یارک کی دریائے کول مین (Coleman) کے شمال میں بستے ہیں۔

۱۰۔ باڈی (Baadi): ۲۰، اس زبان کو تحفظ دینے کی غرض سے محصور کیا گیا ہے اور ان کا علاقہ مغربی کمبرلی ریجن Western Kimberley Region مغربی آسٹریلیا میں ہے۔

۱۱۔ بڈی مایا (Badimaya): تقریباً معدوم ہو رہی ہے بولنے والوں کی تعداد ایا ۲ ہے اور یہ مغربی آسٹریلیا میں بستے ہیں۔

۱۲۔ بنجالنگ (Bandjalang): ۱۰، علاقہ وڈین بونگ (Woodenbong) نیوساؤتھ ویلز۔

۱۳۔ بنجی گلی (Bandjigali): ۱، شمالی وہائٹ کلف (White Cliffs) نیوساؤتھ ویلز۔

۱۴۔ بیرو پوائنٹ (Barrow Point): ۱، کیپ یارک کوئنز لینڈ شمالی آسٹریلیا۔

۱۵۔ بایونگو (Bayungu): ۶، ویسٹ پلبارا کی لینڈن اور مینیلیا دریاؤں کے درمیان، مغربی آسٹریلیا میں یہ لوگ بستے ہیں۔

۱۶۔ بِد یارا (Bidyara): ۲۰، کوئنز لینڈ کے تامبوا اور اوگانیلا کے علاقوں میں یہ زبان بولنے والے لوگ بستے ہیں۔

۱۷۔ بیری (Biri): ۵، جنوب مشرقی چارٹر ٹاورز (Charter Towers) کوئنز لینڈ۔

۱۸۔ بروم پرلنگ (Broome Pearling): ۴۰ کے قریب لوگ خلیج بیگل (Beagle Bay) مغربی آسٹریلیا میں بستے ہیں۔

۱۹۔ بُونابا (Bunaba): سو کے قریب لوگ یہ زبان بولتے ہیں جو فزروئے کراسنگ ایریا (Fitzroy Crossing Area) مغربی آسٹریلیا میں بستے ہیں۔

۲۰۔ بُوردُونا (Burduna): ۳ مغربی آسٹریلیا کی ہنری اور ایرلینڈن دریاؤں کے کنارے یہ لوگ بستے ہیں۔

۲۱۔ جامنجونگ (Djamindjung): ۱، ۳۰، کوئنز لینڈ، منگانا کے مغرب میں۔

۲۲۔ جنگون (Djangun): منگانا، کوئنز لینڈ۔

۲۳۔ دھرگری (Dhargari): ۶ مغربی آسٹریلیا، مینیلیا اور دریائے لیون کے زیریں حصے میں بستے ہیں۔

۲۴۔ جاوی: (Djawi): ۱، مغربی آسٹریلیا، خلیج برنس ویک (Brunswick Bay) کے کنارے۔

۲۵۔ جِنبا (Djinba): ۹۰ بولنے والے ارن ہیم لینڈ Arnhem Land نارد رن ٹیریٹری۔ اس زبان کا ایک اور لہجہ دابی (Dabi) ۱۹۹۱ تک میں ہو چکا ہے۔

۲۶۔ جِنگیلی (Djingili): ۱۰، ایلیٹ، نارد رن ٹیریٹری۔

۲۷۔ جِوارلی (Djiwarli): اس زبان کو بولنے والا صرف ایک بوڑھا ہے، کوہِ اگسٹسٹ، مغربی آسٹریلیا۔

۲۸۔ دِراری (Dirari): ۱، جنوبی آسٹریلیاں جھیل آئری کے شمال میں۔

۲۹۔دھلانجی(Dhalandji):۲۰،مغربی آسٹریلیا میں ویسٹ پلبارا میں خلیج ایکس ماؤتھ کے کنارے بستے ہیں۔

۳۰۔ دیابوگے(Dyaabugay):۳،کوئنز لینڈ، پورٹ ڈگلس کے سطح مرتفع پر۔

۳۱۔ڈارلنگ رگبونجی(Darling/ Bagundji):۵،دریائے ڈارلنگ کے کنارے، نیوساؤتھ ویلز۔

۳۲۔دیابردیابر(Dyaberdyaber):۳،خلیج بیگل،مغربی آسٹریلیا۔

۳۳۔دیانگادی(Dyangadi):۵،دریائے میک لیے،آرمی ڈیل نیوساؤتھ ویلز۔

۳۴۔دی یربال(Dyirbal):۴۰،دریائے ہوبرٹ،کوئنز لینڈ

۳۵۔دیوگن(Dyugun):۲برووم(Broome)مغربی آسٹریلیا۔

۳۶۔ایرے(Erre):۱،کوہ ہاؤشب(Mt. Howship)ناردرن ٹیریٹری۔

۳۷۔فلنڈرآئی لینڈ(Flinders Island):۳،جزیرہ نما کیپ یارک خلیج پرنس شارلٹ،کوئنز لینڈ۔

۳۸۔گاجی راونگ(Gadjerawang):۳یہ لوگ دریائے وکٹوریا کے سرے پر مغربی آسٹریلیا میں بستے ہیں۔

۳۹۔گگادُو(Gagadu):۶،اوئن پلی،ناردرن ٹیرٹیری۔

۴۰۔گمبیرا(Gambera):۶،شمالی کمبرلینز،مغربی آسٹریلیا۔

۴۱۔گنگ گالی دا(Ganggalida):۵،بورک ٹاؤن (Bourke town) کوئنز لینڈ

۴۲۔گیاردِلت(Gayardilt):۵۰،خلیج کارپنٹیریا،کوئنز لینڈ۔

۴۳۔جی یگ(Giyug):۲،ڈارون کے جنوب مغربی میں ناردرن ٹیریٹری۔

۴۴۔گونی یانڈی(Gooniyandi):۱۰۰،دریائے مارگریٹ مغربی آسٹریلیا۔

۴۵۔گُوگج(Gugadj):۱،دریائے نورمن،کوئنز لینڈ۔

۴۶۔گوگوبدھون(Gugu Badhun):۲،آئی ناسلے(Einasleigh) کوئنز لینڈ۔

۴۷۔گوگوبیرا(Gugubera):۱۵،مشن اور مچل دریاؤں کے سرے پر کوئنز لینڈ میں یہ لوگ بستے ہیں۔

۴۸۔گوگوئی مجر (Guguyimidjir):۳۰ کے قریب یہ زبان بولتے ہیں لیکن ۲۵۰ سے ۳۰۰ کے قریب یہ زبان بولنے والے لوگ اب انگریزی بولنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ہوپ ویل(Hopevale) کوئنز لینڈ۔

۴۹۔گُنگابُولا(Gungabula):۲،انجون(Injune) کوئنز لینڈ۔

۵۰۔گُنیا(Gunya):۳،ویانڈرا(Wyandra) کوئنز لینڈ۔

۵۱۔گوراگون(Guragone):۲۰،ارن ہیم لینڈ،ناردرن ٹیریٹری۔

۵۲۔گُرجر(Gurdjar):۳۰،دریائے نورمن کے شمال مشرقی کنارے،کوئنز لینڈ۔

Quran

۵۳۔گوواموو(Guwamu):۱،مارانوادریا،کوئنزلینڈ

آسٹریلیا کی مردہ زبانیں:

مندرجہ بالا زبانیں آسٹریلیا کی وہ زبانیں ہیں جو موت کے قریب ہیں اور اپنی زندگی کی آخری سانسیں گن رہی ہیں۔مگر ذیل میں اس براعظم کی وہ زبانیں دی جارہی ہیں جواب مر چکی ہیں۔

اگوامین (Agwamin)	اگھوتھرنگ گالو (Aghu Tharnggalu)
اواباکال (Awabakal)	بنگ گرلا (Banggarla)
بیالی (Bayali)	پرلاتپا (Pirlatapa)
تجوررُورُو (Tjurruru)	تُھراوَل (Thurawal)
ڈُھرگا (Dhurga)	ڈیری (Dieri)
کری یاررا (Kariyarra)	کلارکو (Kalarko)
کلکوٹونگ (Kalkutung)	کنگاراکانی (Kungarakany)
گنگ گولو (Gangulu)	گورینگ گورینگ(Gureng Gureng)
گوگو وررا (Gugu Warra)	لیننن گی تج (Leningitij)
ملگانا (Malgana)	مے کولان (Maykulan)
نگان یائے وانا (Nganyaywana)	نگانڈی (Ngandi)
نے رِن یے ری (Narrinyeri)	وری ینگ گا (Wariyangga)
ونڈارنگ (Wandarang)	وور یمی (Worimi)
ؤولیؤولی (Wuliwuli)	یالارن نگا (Yalarnnga)
یُوگم بل (Yugambal)[۳۶،۳۷،۳۸،۳۹،۴۰،۴۱،۴۲]	

بحرالکاہل کا جزائر ایسٹر(Easter Islands) جسے ولندیزی سیاح نے ۱۷۲۲ میں دریافت کیا تھا۔اس جزیرے میں آج کل تو رومن رسم الخط رائج ہے لیکن ۱۸۶۴ء سے پہلے اس جزیرے کا اپنا رسم الخط تھا جسے ''رونگورونگو'' کہا جاتا تھا۔اس خط کو شارک مچھلی کے دانت سے لکھا جاتا تھا۔اس خط کو پڑھنے کا طریقہ یہ تھا کہ جب ایک صفحہ یا ایک سطر پڑھ لی جاتی تو اس صفحے کا سرا گھما کر نیچے کر دیا جاتا اور اس طرح دوسری سطریں سامنے آجاتیں یعنی اس کو پڑھنے کے لیے صفحے کو گھمایا جاتا تھا۔۱۸۶۴ء میں جب کیتھولک عیسائی مبلغین یہاں آئے تو انھوں نے ان لکڑی کی تختیوں کو جلا کر خاکستر کر دیا۔یہ لکڑی کی تختیاں مختلف حجم کی تھیں ان میں سے آج صرف ۱۵ تختیاں

دستیاب ہیں ان میں سب سے بڑی تختی کا حجم ۶ فٹ ہے۔ یہ رسم الخط قدیم سندھی رسم الخط سے مشابہہ ہے۔ان واقعات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ استعماری طاقتوں کے ساتھ ساتھ مذہبی استعماریت نے بھی مختلف زبانوں کو کس طرح ختم کیا۔

براعظم امریکا میں انسانوں اور زبانوں کا قتل عام:

استعماری طاقتوں کی جانب سے رسم الخط تبدیل کرنے کا عمل یا ایک زبان کو ختم کر کے طاقت کے بل پر دوسری زبان کو جبراً مسلط کرنے کی روایت شاید کسی حد تک قابل برداشت ہوتی لیکن ریاست ہائے متحدہ امریکا میں سرخ ہندی (ریڈ انڈین) اور براعظم آسٹریلیا میں مقامی آبادیوں کو وحشی، جنگلی اور انسانیت کے نام پر دھبہ قرار دے کر تہہ تیغ کر دیا گیا۔

مؤرخین کے مطابق صرف امریکا میں ۶۰ لاکھ ریڈ انڈین باشندوں کو وحشی قرار دے کر ہلاک کر دیا گیا اور ان کی زبانیں نوہاٹلا (Nauhatl)، یوما (Yuma)، چپیوا (Chipewa)، توماہاک (Tomahawk)، موہاک (Mowhawk)، موہاے (Mojave)، نباہو (Navajo)، چوکٹا (Choctow)، پیما (Pima) اور ہوپی (Hopi) وغیرہ کو فنا کر دیا گیا۔ جب نسل ہی باقی نہ رہی تو زبان کے بچنے کا کیا سوال پیدا ہوتا۔ امریکی ریاست کیلی فورنیا جہاں زبانوں کے کئی بڑے گروہ پائے جاتے تھے وہاں سفاکی اور درندگی کا ایسا مظاہرہ کیا گیا کہ تاریخ نے اس ریاست کا نام جس کا مطلب ہسپانوی زبان میں ''خوابناک سونے کی سرزمین'' تھا، زبانوں کا قبرستان (Cemetery of Languages) رکھ دیا۔ جہاں سترہ بڑے لسانی گروہوں کی دوسو کے قریب زبانیں اور بولیاں بولی جاتی تھیں وہاں آج صرف دو زبانیں باقی رہ گئی ہیں۔ یہ تاریخ ساز کارنامے ان قوموں نے انجام دیے جنھیں اس بات پر فخر ہے کہ وہ دنیا میں انسانی حقوق کے سب سے بڑے علمبردار ہیں اور انسانیت کی جتنی خدمت انھوں نے انجام دی وہ خدمت کوئی اور انجام نہ دے سکا۔ زبانوں کے قتل عام کی اس تاریخ کے مطالعے کے بعد یہ امکان مزید قوی ہو جاتا ہے کہ بروشسکی زبان کو بھی تاریخ کے کسی دور میں اس طرح قتل کیا گیا ہے لیکن اس موضوع پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

اسلام کبھی استعمار نہیں بنا:

یہ اسلام کا اعجاز ہے کہ عرب جو ساری دنیا کو عجم (گونگا) سمجھتے تھے اور فی الواقعہ اس ادعاء پر ایامِ جاہلیت میں انھیں تکبر کی حد تک یقین تھا، جب شمال سے مغرب اور جنوب سے مشرق تک یلغار کرتے ہوئے گئے تو انھوں نے نہ تو استعماری رویہ اختیار کیا نہ ہی نوآبادیات قائم کیں اور نہ ہی مقامی زبانوں کے رسم الخط تلوار کی نوک سے تبدیل کرنے اور قوموں کو ان کے تہذیبی اور تاریخی ورثے سے کاٹنے کی کوشش کی۔ یہ

بات درست ہے کہ انھوں نے لوگوں کو اسلام کے دائرے میں داخل کیا۔لیکن اس کے نتیجے میں مفتوحین فاتحین کے برابر ٹھہرائے گئے اور لوگوں نے اسلام اسی لیے قبول کیا کہ وہ فاتحین کے شانہ بشانہ بلاتفریق کھڑے ہو سکتے تھے اور حقوق وفرائض کے اعتبار سے بھی وہ فاتحین کے برابر تسلیم کیے گئے۔اسی لیے اسلام کی سب سے زیادہ خدمت موالی نے کی۔اس کے برعکس انگریزوں نے ملایا اور سواحلی زبانوں کا رسم الخط تبدیل کیا، ولندیزیوں نے انڈونیشیا کی زبانوں کا قدیم اور سنسکرت رسم الخط تبدیل کر کے رومن بنا دیا۔پرتگیزیوں نے ساحلی شہر گوا میں کونکنی زبان کو، جو اردو اور ہندی رسم الخط میں لکھی جاتی تھی رومن رسم الخط میں تبدیل کر دیا ہندو استعمار نے ہندوستان میں پالی زبان اور بدھ مت کا خاتمہ کر دیا اور بدھ بھکشوؤں کی ہڈیوں کو راکھ بنا کر پھونک دیا۔روسی استعمار نے وسطی ایشیا میں تمام مسلمان نوآبادیات کے رسم الخط عربی سے سریلک (Cyrillic) میں تبدیل کر دیے لیکن عیسائی ریاستوں آرمینیا اور جارجیا کے معاملے میں روسی استعمار نے مذہبی تفریق کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کا قدیم رسم الخط برقرار رکھا کیوں کہ اس رسم الخط میں عیسائیوں کا صدیوں پرانا علمی، تحقیقی اور تاریخی وثقافتی ورثہ محفوظ تھا، لہٰذا اسے محفوظ رہنے دیا گیا۔عہدِ جدید کے اس تاریخی تناظر میں ایسا ممکن ہے کہ بروشسکی زبان کو بھی ثقافتی استعماری یلغار کے نتیجے میں تاخت وتاراج کیا گیا ہو۔

ہانک کانگ کنگ فو مذہب (بانی حکیم کنفوشیس) کا مرکز ہے وہاں رسم الخط تبدیل کرنے کی کوشش کی گئی اور انگریزی زبان مسلط کرنے کی کوشش کی گئی لیکن بدھ مت کنگ فو مذہب اور داؤ مت کے گہرے اثرات کے باعث شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا اور کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔

روسی استعمار اور زبانیں:

روسی استعماریت نے تمام مسلمان مقبوضات کے رسم الخط عربی سے سریلی (Cyrillic) میں تبدیل کر دیئے۔ازبک اور یغور زبانیں جن کا ادب ترک اقوام کا زریں ادب کہلاتا تھا انھیں دانستہ فراموش کر دیا گیا۔لیکن عیسائی ریاستوں آرمینیا اور جارجیا کے معاملے میں روسی استعمار نے مذہبی تفریق کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کا قدیم رسم الخط برقرار رکھا کیوں کہ اس رسم الخط میں عیسائیوں کا صدیوں پرانا علمی وتحقیقی اور تاریخی وثقافتی ورثہ محفوظ تھا۔روس نے جارجیائی زبان کو ایک اور رسم الخط جسے ''خط سوری'' کہتے ہیں لاگو کرنے کی آزادی اور اجازت دی جو سریلک رسم الخط سے انتہائی مختلف اور منفرد تھا۔یہ فراخ دلی روسی استعمار نے عیسائیت کے لیے اختیار کی لیکن مسلمانوں کو اس فراخ دلی سے کوئی حصہ نہ مل سکا۔

ہندو استعمار اور پالی ومقامی زبانیں:

بودھ مت کا آغاز ۶۰۰ ق م میں ہوا جو دراصل آریہ غلبہ یا (ہندومت) کے خلاف اعلان جنگ

تھا۔ یہ اعلان جنگ لسانی طور پر بھی سنسکرت کا مدمقابل تھا بودھ مت نے سنسکرت کو اپنے طور پر کسی حد تک اپنایا ورنہ اس کی عوامی زبان ماگدھی تھی اور پالی ادبی حیثیت رکھتی تھی۔ چناں چہ راجا اشوک کے کتبے آج تک اس امر کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ پالی دراصل متن یا سطر کو کہتے ہیں اور یہ لفظ قطار اور حاشیے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ پالی بھی سنسکرت کی طرح مختلف رسم الخطوں میں لکھی جاتی تھی۔ سب سے پہلے سنہالا رسم الخط میں حضرت مسیح سے سو سال قبل ضبط تحریر میں لائی گئی۔

ہندومت کا احیاء ہوا تو بدھ مذہب اور پالی زبان خاک وخون کے المناک مناظر سے روشناس ہوئے۔ بدھ دھرم اور اس کی زبان کی درگت بنائی گئی۔ بودھ مت کے علماء کو قتل کر کے ان کے سروں کو اوکھلی میں کٹوا کر ہڈیوں کے سفوف کو ہوا میں اڑا دیا گیا۔ مذہب کے ساتھ زبان بھی موردعتاب ٹھہری۔ پورے شمالی ہند کی زبانیں بھی زبردست شکست وریخت سے دوچار ہوئیں۔ طاقت کے بل پر پالی اور دیگر زبانوں کو مٹانے اور سنسکرت کو زندہ کرنے کی بھرپور کوشش ہوئی لیکن سنسکرت عوامی زبان نہ بن سکی۔ اسلام کی پوری تاریخ اس قسم کی عصبیت تشدد سفا کی اور بہیمت سے پاک ہے۔ ارشاد رسالت مابؐ ہے کہ ''اگر دشمن کے شر سے بچنا چاہتے ہو تو اس کی زبان سیکھ لو'' یہ حکیمانہ قول مسلمانوں میں زبانوں کو سیکھنے کا سبب بنا اور انھوں نے اس حکمت کے ذریعے دشمنوں کو اسلام کے حرم میں داخل کر لیا اور ان کی زبانوں کو بھی اپنا بنا لیا۔ اس قید میں آنے کے بعد کوئی رہائی پر آمادہ نہ ہوا۔

زبانوں کو ''متروکات سخن'' کا درجہ دینے کی عالمی استعماری کوشش کی مختصر تاریخ ہمیں نام نہاد مہذب اور متمدن اقوام کے اصل چہرے اور تاریخ سے آگہی بخشتی ہے۔ عالمی استعماری یلغار سے قطع نظر دنیا پر ''مذہب سرمایہ داری'' کے عالمی غلبے کے باعث اس بات کا خطرہ پیدا ہوگیا کہ سرمایہ دارانہ نظام (Capiltalism)، آزادی (Liberty) اور بنیادی حقوق (Fundamental Rights) کا عالمگیر فلسفہ نوے فی صد زبانوں کی موت کا سبب بنے گا۔

آسٹریلیا کے ممتاز ماہر لسانیات پیٹر ہوسلر نے ایک دلچسپ واہم پیش گوئی کی ہے کہ اگلے سو برسوں میں نوے فی صد زبانیں صفحۂ ہستی سے متروک ہو جائیں گی اور صرف پانچ یا چھ بنیادی اہم زبانیں باقی رہ جائیں گی، جن میں انگریزی، ہسپانوی، فرانسیسی، جرمن، چینی اور عربی زبانیں شامل ہیں، جب کہ ملیشیا اور انڈونیشیا میں بولی جانے والی بھاشا (Bahasa) زبان کے بارے میں امکان ہے کہ یہ زبان بھی شاید باقی رہ جائے۔ اس کا مؤقف ہے کہ زبانیں ہمارے اندازے سے بھی زیادہ تیزی سے متروک ہو رہی ہیں۔ مثلاً آسٹریلیا میں یورپی باشندوں سے پہلے یعنی دو سو سال قبل دو سو پچاس زبانیں بولی جاتی تھیں لیکن اب

Quran

وہاں کے طول وعرض میں صرف پچاس زبانیں بولی جاتی ہیں۔ کیوں کہ انگریزی استعمار نے قتلِ عام اور چھوٹی زبانوں کی حوصلہ شکنی کے ذریعے نسلوں کو فنا کر دیا اور زبانوں کو مٹا دیا۔

ایک اندازے کے مطابق اس وقت دنیا میں چھ سے دس ہزار زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ان میں مکمل باضابطہ زبانوں کے ساتھ ساتھ بولیاں بھی شامل ہیں۔ ہوسلر کے خیال میں زبانوں کے متروک ہونے کی اصل وجہ بڑے پیمانے پر نقل مکانی ہے۔ جس کے نتیجے میں تارکینِ وطن اپنی زبان ترک کر کے جائے سکونت میں بولی جانے والی زبانیں اختیار کر لیتے ہیں تا کہ مقامی آبادی میں جذب ہو جائیں۔ زبان کی تبدیلی ان کے لیے اقتصادی وسماجی اعتبار سے سودمند ثابت ہوتی ہے لیکن ان کی آبائی تاریخ کے لیے موت کا پیغام ثابت ہوتی ہے۔

دوسرا نقطۂ نظر نوبل انعام یافتہ ہسپانوی ادیب کامیلیو خوسے تھیلا (Camillo Jose Cela) کا ہے۔ اس نے پیش گوئی کی ہے کہ اگلی چند صدیوں تک دنیا بھر کے لوگ صرف چار زبانیں استعمال کریں گے۔ یعنی عربی، ہسپانوی، انگریزی اور چینی اس کے سوا تمام زبانیں متروک ہو کر محدود ہو جائیں گی اور صرف علاقائی زبانوں کا روپ دھار کر محبت اور شاعری کے لیے رہ جائیں گی۔

Quran

سرمایہ داری نے بے شمار لفظوں کا قتل عام کیا

جدیدیت کے مقتول الفاظ کی فہرست

اردو زبان میں فحش الفاظ کی کثرت کیوں؟

متروک الفاظ کے ذریعے ہم گزشتہ کئی سو برس کے سیاسی، سماجی، ثقافتی، علمی، ادبی، تحقیقی، مذہبی، تہذیبی، تمدنی اور معاشرتی تغیرات کا جائزہ لے سکتے ہیں جو برعظیم کے معاشرے میں برپا ہوئے اور جس کے نتیجے میں بہت سے لفظ فراموش ہو گئے یا فراموش کر دیے گئے۔ ہر لفظ کا ایک خاص علمیاتی، تاریخی، تہذیبی اور ثقافتی پس منظر ہوتا ہے جب ایک لفظ ہمارے حافظے سے محو ہو جائے یا ہم اسے بھول جائیں یا بھلا دیں تو اس لفظ کے ساتھ وابستہ تاریخ اور ثقافت بھی طاق نسیاں کی زینت بن جاتی ہے۔ یہ متروکات ہمیں صرف یہ نہیں بتاتے کہ لفظ متروک ہو گیا ہے بلکہ وہ اس لفظ کے متروک ہونے کی اصل وجوہات سے بھی مطلع کرتے ہیں جس کی بنیادیں اس قوم کی تاریخ، تہذیب، مذہب اور تمدن ذرائع معیشت طرز معاشرت، ثقافت، علمیاتی اساس، مابعد الطبیعیاتی نظریات اس کے طرز زندگی میں پیوست ہوتی ہیں۔ متروک لفظ بتاتا ہے کہ کونسی روایت متروک ہوئی کون سا طرز مٹ گیا جس کے باعث اس کے اظہار کی صورتیں بھی متروک قرار پائیں۔ ہم نے کن تاریخی و ثقافتی اقدار کو بھلا دیا ہے۔

مثلاً فارس کی کتب تواریخ میں ''داوشکار'' کا لفظ ملتا ہے اب یہ متروک ہے۔ اس اصطلاح کو سمجھنے کے لیے ملک فارس میں شکار کی روایت اس کی تاریخ اور ثقافت سے آگہی ضروری ہے۔ یہ شکار بادشاہ کے حکم پر کیا جاتا تھا۔ سپاہی اور خدام ۴۰، ۵۰ منزل کا احاطہ گھیرتے، اس میں کوسوں کے جنگل اور پہاڑوں سے جانوروں کو گھیر لاتے تھے۔ نکاس کے موقع بند کرتے، بہت سے لکڑ ہاتھ آ جاتے تو کٹہرے کھڑے کرتے، ایک دن بادشاہ تمام امیروں

Quran

کے ساتھ آتا، اچھے اچھے سپاہیوں اور پہلوانوں کو لاتا، بادشاہ کا تخت بہت اونچا سجایا جاتا کہ کسی جانور کا حملہ وہاں تک نہ پہنچ سکے۔شاہ شاہزادوں سمیت بیٹھتا، درندے جانوروں کو سامنے گھیر کر لاتے اور ایسی ہوشیاری سے روکتے کہ ایک جانور بھی نکلنے نہ پاتا، پہلے شاہ تیر پھینکتا۔ پھر شاہی خاندان کے لوگ، پھر اور امیر، پہلوان، سپاہی، جب سب درندوں کو مار لیتے تو جمع کر کے ڈھیر لگاتے اور دیکھتے، اگر کسی کے ہاتھ سے بے آزار جانور مارا جاتا تو اسے بہت سی لعنت ملامت کرتے اور قصاص میں اسے مار کر ساتھ رکھ دیتے تھے۔ پھر موبد ایک بلندی پر چڑھ جاتا اور کہتا کہ اے بے آزار جانورو، تمہارے دشمنوں سے انتقام لینے کو بادشاہ دادگر نے بذات خاص توجہ کی، خون کا عوض لیا گیا، وہ اپنی سزا کو پہنچے۔ اب آرام سے جنگلوں اور پہاڑوں میں پھرو چلو رہو سہو، دیکھو، اپنے ربُ النوع کے سامنے شکوہ نہ کرنا، پھر احاطہ توڑ دیتے تھے۔ بے آزار جانور جنگلوں اور پہاڑوں میں نکل جاتے تھے۔اس شکار کو داوشکار کہتے تھے۔اب کتب تاریخ میں اسے شکارِ قمرغہ، اور شکار جرگہ کہتے ہیں۔

ایک مختصر سا لفظ بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اگر وہ متروک ہو جائے تو اس کی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے کیونکہ اب صرف لفظ نہیں رہتا گزری ہوئی تاریخ، فراموش شدہ تمدن، تہذیب اور روایت کی داستان بھی اپنے سینے میں سمو لیتا ہے اور بلبل ہزار داستان بن جاتا ہے۔

ایک مختصر سے لفظ میں ایک خاص عہد، خاص زمانے کی مذہبی تہذیبی روایات اور اقدار کی بہت سی جھلکیاں بھی ہوتی ہیں لہٰذا جب کوئی لفظ متروک ہو جائے تو یہ معمولی حادثہ نہیں ہے۔ یہ ایک غیر معمولی سانحہ ہے کیوں کہ صرف ایک لفظ متروک نہیں ہوا۔اس سے وابستہ بے شمار روایات بھی متروک ہو گئیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اس تہذیب و تمدن اور مذہب کی روایات میں یا تو بنیادی تبدیلی پیدا ہوئی یا تحریف کا عمل شروع ہو گیا یا جدیدیت روایت پر غالب آ گئی یا ایسے ثقافتی، معاشرتی حالات پیدا کر دیئے گئے یا پیدا ہو گئے جن کے باعث وہ لفظ زبان سے خارج ہو گیا۔ الفاظ اپنے عہد کے نظام اخلاق اور معاشرتی رویوں کی بہترین ترجمانی کرتے ہیں اور لفظوں کی تحقیق سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس عہد میں اخلاقیات کی سطح کیا تھی اور شرافت کا معیار کیا تھا۔ دوسرے لفظوں میں آپ اس عہد کی مذہبی حالت کا بھی اندازہ کر سکتے ہیں کہ مذہب معاشرت پر کس حد تک اثر انداز تھا اور اس کی گرفت کس درجے کی تھی۔ ''ہر لفظ اپنی تاریخ میں اپنا شجرہ نسب پوشیدہ رکھتا ہے'' ''بہت سے لفظ ایک قوم کی سیاسی، اخلاقی، معاشرتی ترقی یا زوال کی روداد لیے ہوئے ہیں''۔ لغات لفظوں کی سوانح عمری ہے کوئی خبر کوئی سانحہ اور واقعہ ایسا نہیں ہوتا جو ماضی میں ظہور پذیر ہو چکا ہو اور لغات میں درج نہ ہو'' اگر ایک ایک قوم کی تاریخ کے دفتر فنا ہو جائیں مگر اس کا لغات موجود ہو تو اس کی مدد سے قوم کی تاریخ پھر مرتب ہو سکتی ہے۔ لفظ گمشدہ تاریخ، گمشدہ تہذیب و تمدن اور تاریخ کی گرد میں ملفوف واقعات و حادثات کی سچی تصویر کھینچ دیتے ہیں''۔

Quran

بہت سے متروک الفاظ اپنی خاموش زبان سے ہم کو سنانے کے لیے بہت سے ایسے واقعات یاد رکھتے ہیں جنھیں کاغذی تاریخ کے اوراق بھلا چکے ہیں۔

متروکات اور اخلاقیات:

اخلاقیات کے معیار میں تبدیلیوں سے بھی الفاظ کے استعمال میں تغیر آجاتا ہے اور عمدہ الفاظ کی جگہ ہلکے اور بے ہودہ الفاظ لے لیتے ہیں، تہذیب اور شائستگی کے پیمانے آوارہ مزاجی اور بے مہار آزادی کے جلو میں مٹنے لگتے ہیں اور اس کا اظہار زبان و بیان کی نزاکتوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ سرمایہ داری، عالمگیریت، جدیدیت، آزادی، آزادی اظہار رائے کے نام پر دنیا کی بے شمار زبانوں کے الفاظ مٹا دیے گئے۔ جدیدیت نے اردو زبان کے بے شمار الفاظ کا قتل عام کیا جس کی تفصیل ملاحظہ کیجیے: مثلاً آج خواتین ڈاکٹروں سے گفتگو کرتے ہوئے بے تکلف ''ایام حیض کے لیے Menses کا لفظ استعمال کرتی ہیں لیکن ساٹھ ستر سال قبل نہ ایام حیض استعمال ہوتا تھا نہ Menses، گفتگو کا طریقہ ہی دوسرا تھا۔ ''حکیم صاحب گزشتہ تین ماہ سے آپ کی بہو کی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی''۔ بین السطور میں بات کہہ دی گئی، اس عہد میں گفتگو کا دوسرا اسلوب بھی موجود تھا مگر وہ بھی بہت مہذبانہ تھا ''حکیم صاحب بچی کو پھول نہیں آرہے''۔ ''پھول آنا'' اور ''اروندسے'' حائضہ ہونے کے معنی میں تھے۔ اب یہ لفظ متروکات میں داخل ہے۔ Vagina کا لفظ عورتیں عموماً استعمال کرتی ہیں کیوں کے اس کے اردو متبادلات فحش معلوم دیتے ہیں لیکن قدیم عہد میں اس کے لیے ''شلفینہ''، ''بل''، قبل، یُر، بھگ، ٹھیکری، چڑ موجود تھے جو اب متروک ہوگئے ہیں۔ مادہ منویہ کے لیے ''شلیخ'' استعمال ہوتا تھا۔ کرسف جیسے لفظ کی جگہ سینٹری ٹاول مستعمل ہے۔

خالد حسن قادری نے متروکات کی لغت میں بہت سے قیمتی لفظ جمع کیے ہیں جن سے قدیم عہد کی تہذیب، ثقافت، تہذیبی نفاست، ذکاوت، تنوع، وسعت، ذہانت، تخلیقی قوت، ذہنی اپج، زبردست قوت مشاہدہ کا اندازہ ہوتا ہے۔

مثلاً مرد و زن کے لیے، عفت سیماب عورت و مرد کے لیے ان کی حرکات اور سفلی جذبات کے لیے مستعمل الفاظ کی فہرست ملاحظہ کیجیے۔ یہ الفاظ اب متروک ہو چکے ہیں۔ مگر ان الفاظ کے معانی پر غور کیجیے تو محسوس ہوتا ہے کہ ساری توجہ اعضائے پر ریئسہ، فحش فحظ کاموں اور جذبات سفلی پر مرکوز تھی غالباً دنیا کی کسی زبان میں بدکاری، سفلی پن اور جنسی معاملات پر اتنے الفاظ نہیں ملیں گے۔ ان الفاظ کی تحقیق سے برعظیم پاک و ہند کی پوری تہذیب، اس تہذیب میں اسلامی تہذیب کی پیوندکاری اور ہند میں مسلمانوں کے زوال کی پوری تاریخ سامنے آجائے گی۔ دنیا کی کسی زبان میں ان موضوعات پر اس قدر الفاظ نہیں ملتے۔ ایک جانب یہ فصاحت بھی ہے لیکن دوسری جانب دور زوال کی سنگین علامت بھی، جب جسم ہی تمام توجہ، دلچسپی اور لسانیاتی تحقیق کا مرکز بن جاتا ہے

Quran

مغرب کا حال بھی آج اس سے مختلف نہیں۔فرق یہ ہے کہ ہند میں مذہب موجود تھا مغرب سے رخصت ہوگیا، مذہب کی موجودگی سے معاملات ایک خاص دائرے سے باہر نہ جاسکے۔

☆اپھسار کا ☆اچھال چتی ☆اٹکنا، ☆اچکنا، ☆اچھال چھکا، ☆اُچھلنا، ☆ادھیڑنا ☆اڈھلنا، ☆اُدھلی، ☆اڈو، ☆چیرا بندی، ☆دگ ناری، ☆دنا، ☆ٹھیکری ☆دو ورقی ☆شلفینہ ☆بل، ☆کبر، ☆اچھوتی ☆ دھانگڑ، ☆رٹ کیل، ☆سرت ☆شیپ ☆قُبل ☆قُلتیں ☆اڑنا گن ☆ازار بند کا نہ کھلنا، ☆ازار بند کا ڈھیلا، ڈھیلی، ☆استنجے سے استنجا لڑنا، ☆بر، ☆بردھانا، ☆بھاڑ، ☆بھٹنی ☆بھوگی، ☆گوکھ دالی، ☆گولک، ☆آپس میں رہنا، ☆آختہ، ☆آسن تلے آنا، ☆آلنگن، ☆ابکیشی، ☆اُپتی، ☆اپروش، ☆جار، ☆جارج، ☆چیٹیا، ☆ دواج، ☆نجھوٹی، ☆شلخ، ☆برکنی، ☆آبستہ، ☆آختہ، ☆اختی گھوڑی ☆آس ڈگانا، ☆آلنگ، ☆چُل، ☆آلول، ☆آم، ☆آنڈ، ☆ابسن ☆ابھرنا، ☆اپروش، ☆اپسرا، ☆اُپلاسی پھولنا، ☆اترنا، ☆اتارا، ☆ماراتارا، ☆اٹ سٹ، ☆اٹک، ☆اٹک مٹک، ☆اٹنگن ☆اٹوی، ☆اٹھل، ☆اٹھنا، ☆ایٹرن، ☆اچپل، ☆اچپلا ☆اختہ، ☆اُدمات، ☆اُدھماتی، ☆ادھر چلنا، ☆ادھڑنا، ☆ادھل گئی، ☆اُرلگنا، ☆اردلی اترنا، ☆ارسانا، ☆ارس پرس، ☆اروند سے ہونا، ☆اڑنا گن، ☆اس سے، ☆اسامی، ☆کھلانے والی اسامی، ☆اسپ، ☆استنجا لڑنا، ☆نسویا، ☆انکنا، ☆اوروج، ☆اوربل، ☆باسنا، ☆بائیکو، ☆بیرن، ☆ببری، ☆ببیسیا، ☆بتولُن، ☆بچکانی، ☆نوچی، ☆براگ، ☆بُرجری، ☆بُرکنی، ☆بروگن ☆برھا، ☆بندھیا، ☆بندھیج، ☆بوجھ پکڑنا، ☆بودلی، ☆بلھاڑا، ☆بھٹنی چوچی، ☆بھگ، ☆بھوگ، ☆بھوگی، ☆پاتر، ☆پاکی لینا، ☆پُتریا ☆پٹوا، ☆پرچل، ☆پنڈی، ☆پھُنو ☆پیغلہ، ☆پیکھنا، ☆تریا چرتر، ☆تسکری، ☆تھوک لگانا، ☆تیا ☆ٹیٹر اہلانا، ☆ٹیل، ٹپکی پڑنا، ٹنا، ☆جارج، ☆جاف، ☆جھانوی لینا، ☆جانوی باز، ☆جیوڑا، ☆چپٹا، ☆پدمنی، ☆چترنی، ☆چڑ، ☆چنڈی، ☆چھاتی گدرانی، ☆چھتیسی ☆چھپ تختی، ☆چیرا اتارنا، ☆چیرابند، ☆خام پارہ، ☆ختک، ☆دار/ دارا، ☆دگ ناری، ☆دواج، ☆دوں، ☆دوورقی، ☆دوہاجو، ☆دیوداسی، ☆دھانگڑ، ☆ڈور ہونا، ☆ڈھینڈھا، ☆راتنا، ☆رٹ کیل، ☆سادھوی، ☆ستوخورہ، ☆ستونتی، ☆سرت، سلونا/ سلونی، ☆سمبھوگ، ☆سنجوگ، ☆سنکر، ☆سنکھنی، ☆ستپنی، ☆شلک، ☆شپس، ☆صندل گھسنا، ☆قلتین، ☆انکنا، ☆وعشت، ☆ویشیا، ☆گات، ☆عینن ☆لیلاوتی، ☆ماخام، ☆منہ کی لوئی اترنا، ☆کاڑھ، ☆لگواڑ، ☆کوک، ☆سامانیہ، ☆سوکیہ، ☆پرکیہ وغیرہ وغیرہ............[ان الفاظ کے معنی تلاش کرنے کے لیے خالد حسن قادری صاحب کی ''لغت متروکات'' جلد اول تا سوم ناشر شعبۂ تصنیف وتالیف وترجمہ جامعہ کراچی ملاحظہ کیجیے]

ذیل میں ہم ان الفاظ کے معنی دے رہے ہیں جو تہذیب وتمدن کی آوارگی کے باعث متروک ہوگئے ہیں اور ہم ایک بے حجاب بے حیاء معاشرے میں سانسیں لے رہے ہیں۔

[آنچل] آج کل خواتین یہ لفظ عموماً استعمال کرتی ہیں، (۱) بچے کو فیڈ کردو، (۲) فیڈنگ کرکے آتی ہوں، لیکن ساٹھ ستر سال پہلے سینہ چھاتی اور پستان کے لیے آنچل کا لفظ مستعمل تھا اور Feeding کے لیے آنچل دبانا، آنچل دینا معنی بچے کا دودھ پینا، بچے کے منہ میں چھاتی دینا۔

[آبلہ فرنگ]: ایک جنسی بیماری جو یورپ کے ملک فرانس سے ہندوستان پہنچی۔ یہ لفظ یورپ اور ہندوستان کی اخلاقی اور معاشرتی حالات کی عکاسی کرتا ہے۔ عیسائیت کے خلاف بغاوت کے بعد یورپ میں جنسی آزادی، عریانی اور فحاشی کا طوفان آگیا جو ابھی تک جاری وساری ہے۔ جس کے نتیجے میں جنسی بیماریوں کا طوفان بھی اٹھا جب کہ ہندوستان گہوارہ مذہب ہونے کے باعث اس جنسی بیماری سے محفوظ تھا، مذہب اور اخلاقیات کا بیماریوں کے وجود اور عدم سے گہرا تعلق ہے۔ عصر حاضر میں ''ایڈز'' بھی مغرب سے درآمد ہوا ہے اور پوری دنیا اس جنسی بیماری سے شدید خطرے میں مبتلا ہوگئی۔

[آٹھ پہریا]: آٹھ پہریا: چوبیس گھنٹے کے ملازم کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ ملازم اب بھی بڑی بڑی کوٹھیوں میں کام کرتے ہیں، لیکن یہ اصطلاح متروک ہوگئی قدیم زمانے میں طبقاتی تقسیم کے باوجود اصطلاح اس بات کا تعین کرتی تھی کہ خادم کس طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔ جدیدیت یہ ہے کہ فرد کے طبقے کا پتہ نہیں چلتا، طبقہ تو ختم نہیں ہوسکا مگر اس کی علامت ختم کردی گئی۔

[اروئی/ آروچ]: حمل کے سبب پیٹ کی بیماری جس میں ابکائیاں کثرت سے آئی ہیں، مرض آج بھی موجود ہے لیکن مرض کا نام متروک ہوگیا ہے جس کے باعث عورتیں ڈاکٹر سے گفتگو کرتے ہوئے موثر ابلاغ نہیں کرسکتیں۔

[آسمانی فرمانی]: پرانے زمانے میں معاہدے یا سرخط وغیرہ میں ایک شق رکھی جاتی تھی کہ اگر موسمی تباہ کاری یا سرکار کے نامناسب مطالبات کے سبب زمیندار کو نقصان ہو یا اخراجات میں اضافہ ہو تو رعیت کو اس کی تلافی کرنی پڑتی تھی۔

[آسن ڈولنا]: بزرگوں کا آمادہ امداد ہوجانا۔ صرف لفظ ہی نہیں یہ طور طریقہ بھی اب متروک ہوگیا ہے۔

[آلتمغا]: فرمان شاہی کے ذریعے عطا کردہ معافی کی دوامی زمین، یہ زمین اب بھی سیاسی عسکری، انتظامی اشرافیہ کو سرکار عطا کردیتی ہے، ہزاروں ایکڑ زمین لوگوں کے پاس ہے لیکن اس کے لیے کوئی لفظ ایجاد نہیں ہوا۔

[اُبر اسبرا]: بچا کھچا، باقی ماندہ پس خوردہ جو عموماً فقیروں کو دے دیا جاتا تھا اب فریج اور فریزر میں محفوظ کردیا جاتا

Quran

ہے تا کہ خود کھائیں یا مہمانوں کو کھلا دیں، عید قربان کے موقع پر تمام گوشت محفوظ کر کے مہینوں تک کھایا جاتا ہے جس کے باعث ذہنی، اخلاقی، روحانی اور جسمانی بیماریاں شدت سے پیدا ہو رہی ہیں۔

[ابی]: گلی ڈنڈا کھیلتے ہوئے ضرب اول کو کہتے ہیں، دوسری کوڈبی گلی ڈنڈا اب ختم ہو گیا ہے اور اس کی جگہ انتہائی مہنگے کھلونوں نے لے لی ہے جس کے باعث لوگوں کے اخراجات آمدنی سے بڑھ گئے ہیں۔

[اُپسنا]: اشیائے خوردنی کا بدبودار ہونا، یہ لفظ اب مستعمل نہیں رہا۔

[اپھرنا]: مال پا کر مغرور ہو جانا نخوت و غرور سے بھری چال: شہروں میں یہ چال عام ہے اس لیے یہ لفظ متروک ہو گیا۔

[اپھننا]: جھاگ پیدا ہونا۔ دہی سڑتا ہے تو جھاگ پیدا ہوتا ہے۔ یہ صورت اب بھی درپیش ہوتی ہے لیکن یہ لفظ متروک ہے اور کوئی متبادل بھی نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جدیدیت نے تخلیقی صلاحیت پر بھی اثر ڈالا ہے۔

[اٹاری، اٹریا]: کاٹھ کباڑ بھرنے کی جگہ جو عموماً چھت میں بنائی جاتی ہے غالباً انگریزی کا Attic بھی اس سے ملتا جلتا ہے۔ گھروں کی چھتیں اتنی چھوٹی ہیں کہ اٹاری ختم ہو گئی ہے، فلیٹوں کی آمد کے بعد مودی خانہ [اسٹور] اور Attic بھی متروک میں داخل ہو گئے ہیں، کشادہ گھروں میں اٹاری یا مودی خانہ ہوتا ہے لیکن اس کے لیے انگریزی لفظ اسٹور استعمال کیے جاتے ہیں۔

[اجلی، دھوبن]: واشنگ مشین نے دھوبی اور دھوبن کو متروک کر دیا ہے، چھوٹے شہروں اور گاؤں میں یہ ثقافتی ہستیاں موجود ہیں لیکن ان کے لیے مہذب لفظ ''اجلی'' کوئی نہیں بولتا۔

[اُجوانا]: ایک برتن سے دوسرے برتن میں پانی ڈالنا، کمیٹی کے نل، کنوئیں، شہروں میں ختم ہو گئے ہیں دیہاتوں میں اب بھی ہیں لیکن یہ لفظ متروک ہو گیا ہے۔ شہروں میں عورتیں گھروں کے اندر ''اجوانا'' کے عمل سے گزرتی ہیں لیکن زبان بہت سادہ ہو گئی ہے۔ جدید نقطہ نظر یہ ہے کہ زبان کو بہت آسان چاہیے تا کہ دماغ پر بار نہ پڑے کیوں کہ عصر حاضر میں انسان لطف و لذت کو حاصل زندگی سمجھتا ہے اور ہر اس شے کو جو لطف و لذت کی راہ میں رکاوٹ ہو فراموش کر دینا چاہتا ہے۔ تخلیقی عمل محنت کا طلب گار رہتا ہے۔

[اجُوی]: دونوں ہاتھ دعا کی طرح ملانا اور ان میں خم ہو، ان دونوں ہاتھوں میں جگہ کی مقدار کو اجولی کہتے ہیں۔ وقت ضرورتِ کسی چیز کو پکڑنے کے لیے ہدایت دی جاتی ہے لیکن اس ہدایت کے وقت یہ لفظ زبان پر نہیں آتا، زبان ایک اچھے لفظ سے محروم ہے اکثر گھروں میں بعض چیزوں کو اٹھانے کے لیے صرف اجولی استعمال کرنا ضروری ہوتا ہے لیکن اس موقع پر طویل جملوں کے ذریعے بات سمجھائی جاتی ہے۔ مختصر لفظ استعمال نہیں کیا جاتا۔

[اُجھینا]: چولہے میں ایندھن جوڑنے کی ایک وضع جس سے آگ بہت جلد مشتعل ہو جاتی ہے، سوئی گیس آنے کے باوجود بقرعید کے موقع پر سیخ کباب لگانے کا رواج بہت عام ہو گیا ہے۔ عہد قدیم میں یہ رواج نہ تھا، لوگ گھسن کبابی سے

ہی کباب کھاتے اور اسی سے کباب لگواتے تھے لیکن کباب لگانے کا رواج عام ہونے کے باوجود ''اجھینا'' متروک ہوگیا۔

[''**اچاوا**'']: سوتے میں بڑبڑانا، ڈراؤنے خواب دیکھنا، خودکلامی حالت نیند میں، یہ بیماری اور علامتیں اب بھی ہیں ان کے اظہار کے لیے انگریزی اردو کا کوئی لفظ مستعمل نہیں، کیفیت بیان کرنے کے لیے طویل جملے بولے جاتے ہیں، اختصار تہذیب جدید سے رخصت ہوگیا ہے۔

[**احمقانہ**]: عامل یا کارندے کی غلطی سے رقم کم وصول ہوئی ہوتو اسے خود اپنی گرہ سے وہ رقم ادا کرنی ہوتی ہے۔ قدیم عہد میں احتساب کا نظام زندہ تھا، جدید عہد میں احتساب کا نظام نیچے سے لے کر اوپر تک ختم ہوگیا ہے۔ بعض جگہ یہ نظام قائم ہے لیکن یہ اصطلاح متروک ہے۔

[**ادقچہ**]: کنارے پر بھاری کام والی چادر جسے توشک پر اس طرح بچھاتے ہیں کہ کنارے نیچے لٹکتے رہیں چادر مستعمل ہے لفظ متروک ہے۔

[**ادھن**]: پانی جو کھانا پکانے کے لیے پہلے چولہے پر گرم کرتے ہیں۔

[**اَدُبھک**]: کسی جانور کا بچہ۔ یہ لفظ بھی متروک ہوگیا، متبادل تخلیق نہیں ہوسکا۔

[**ارجن**]: وہ عورت جو ہر وقت میکے والوں کی بڑائی کرتی ہے۔ افسوس کہ یہ روایت بھی اب ختم ہوتی جارہی ہے۔ اب خواتین میکے والوں سے بھی خوش نہیں، صبر وشکر رخصت ہوگیا ہے، شکایت رہتی ہے کہ کیا دیا؟ کہاں دے دیا؟ نظر اپنے گھر کی آسائش پر رہتی ہے اور بھابھیوں پر کہ یہ اچھے گھر میں آگئیں ہم کمتر گھروں میں بیاہے گئے، مغربی تہذیب اور جدیدیت کی خاص علامت خودغرضی نفس پرستی حریص اور حاسد طبیعت ہے۔

[**اُردابیگنی**]: مردانہ لباس کی ہتھیار بند عورت جو شاہی محلوں میں پہرا چوکی دیتی اور حکم احکام پہنچاتی ہے۔ یہ طبقہ اب ختم ہوگیا کیوں کہ مغربی تہذیب کے غلبے کے نتیجے میں پردہ کا نظام سرکار دربار کی سطح پر کاملاً ختم ہوگیا اور عمال حکومت کی خواتین پردے کو دقیانوسی چیز سمجھنے لگیں۔

[**ارسٹا**]: ماہوار حساب کتاب، ۷۰ کے عشرے تک عورتیں عموماً شہروں میں آمدوخرچ کا حساب رکھتی تھیں، جدیدیت (ماڈرن ازم) کے نتیجے میں یہ روایت بھی ختم ہوگئی اس لیے اکثر گھروں میں خرچے بہت بڑھ گئے ہیں جس کے نتیجے میں رشوت، حرام خوری، عیاشی، طرز زندگی بن گئی ہے۔

[**ارگجا**]: صندل گلاب کا فورمشک عنبر اور مکھن کے امتزاج سے تیار شدہ خوشبو جس کا رنگ زرد ہوتا تھا، یہ خوشبو عیش وعشرت کے اس دور کی تصویر پیش کرتی ہے جس کا منطقی انجام مسلمانوں کا زوال تھا، خوشبو کو اسلامی معاشروں میں خاص مقام حاصل ہے لیکن اس میں اسراف وتبذیر کا پہلو سنت رسول اور احکام اللہ کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔ قدیم دور کے کھیل، کھانوں، اسموں اور خوشبوؤں کی تاریخ مرتب کی جائے تو معلوم ہوگا کہ عہد زوال میں

زندگی کا مقصد کھانا خوش بو سونگھنا لہو ولعب اور عورتوں سے نثر اور شاعری میں کلام کرنا رہ گیا تھا۔ ''خیر القرون'' عہد رسالت وعہد صحابہ کے کھانوں کی فہرست تیار کی جائے تو ہم شرم سے اپنے سر جھکالیں گے۔ سادگی عین اسلام ہے۔ یہ رسول اللہ کا قولِ فیصل ہے سادگی اس امت سے رخصت ہوچکی ہے جو دنیا میں اسلام نافذ کرنے کی مدعی ہے۔لہٰذا اس امت کا اقتدار بھی رخصت ہوگیا ہے۔

[اروا]: بغیر ابلا صاف شدہ چاول

[اڑاڑا]: لکڑیوں کا احاطہ جس میں رات کو چوپایوں کو گھیر کر رکھتے ہیں، بقرعید کے موقع پر اس کا استعمال عام ہے، مگر لفظ مستعمل نہیں۔

[اڑھدل]: دن کو مزدوری کرنے والا (گرمیوں کے موسم میں رمضان میں مزدور عموماً رات کو مزدوری کرتے ہیں)۔

[اڑھیکن]: لڑھکنے والے برتن کو روکنے کے لیے لگائی جانے والی چیز آج کل صرف ''روک لگانا'' عام ہے۔

[اڑھنگن]: برتن کو لڑھکنے سے روکنے کے لیے نیچے رکھنے کی چیز (الماری، میز وغیرہ کے نیچے کاغذ، لکڑی کے ٹکڑے وغیرہ رکھ کر توازن برابر کیا جاتا ہے لیکن اس عمل کے لیے کوئی لفظ مستعمل نہیں۔[لغت میں عورتوں سے متعلق اکثر الفاظ متروک ہیں؟ یہ اہم سوال ہے۔]

[اسادھ]: ناقابل علاج مہلک بیماری، بیمار کے بارے میں گفتگو یا اس کے سامنے بات کرتے ہوئے اس لفظ کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

[اسارنا]: دور کرنا، ہٹانا، جگہ سے بے جگہ کرنا۔

[یافت کی اسامی]: ملازمت جس میں رشوت کی خوب آمدنی ہو، پہلے یہ اصطلاح معروف تھی کیونکہ گناہ کا تصور باقی تھا، اب جدیدیت کے باعث یہ اصطلاح متروک ہوگئی اور رشوت لینا طرزِ زندگی بن گیا ہے۔

[اسانا]: غلے کو ہوا کے رخ رکھ کر اڑانا تاکہ بھوسی نکل جائے۔ یہ کام اب بھی ہوتا ہے لیکن اس کے لیے کوئی لفظ مستعمل نہیں۔

[اسکانا]: تبی کو ابھارنا لوکو بڑھانا، جوش دلانا، یہ لفظ بھی مستعمل نہیں جب کہ یہ کام اب بھی کئے جاتے ہیں ایسے موقع پر اپنی بے زبانی پر کسی کو حیرت نہیں ہوتی۔

[اسکفہ] چوکھٹ کے اوپر کی لکڑی
[اترنگ] چوکھٹ کے نیچے کی لکڑی

ان لفظوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم عہد میں لوگ کس قدر گہری قوت مشاہدہ، قوت تخلیقی اور قوت گویائی کے مالک تھے، جدیدیت نے ان تمام صفات سے انھیں محروم کردیا ہے۔

[اسوامی بکری]: مالک کی عدم موجودگی میں فروخت، فروخت ناجائز۔

[اسیچنا]: آگ پر آہستہ آہستہ پکانا، دھیمی آنچ پر پکانا، جدید طرز زندگی نے ہر چیز میں عجلت پیدا کر دی ہے لہٰذا لفظ بھی متروک ہوتے جا رہے ہیں۔

[اشٹ]: منگل، سفید گھوڑا

[اکالہ]: جسم یا عضو کو گلا دینے والی بیماری، کیسنر کے لیے عمدہ لفظ ہے۔

[الل پڑنا]: سواری میں اگر پیچھے بوجھ زیادہ ہو اور سواری آگے ہلکی ہو تو اس کیفیت کو کہتے ہیں۔

[الوتے بلُوتے]: نوکر اور باضابطہ ملازموں کے علاوہ اور نوکر پیشہ لوگ ان کی اولاد متعلقین، بیوائیں، فقیر، معذور وغیرہ ہند کے بعض علاقوں میں ملازمین کے علاوہ ان لوگوں کی بھی پرورش کی ذمہ داری صاحب خانہ پر ہوتی ہے۔ اس اصطلاح سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد قدیم میں سرکار کے ساتھ ساتھ غیر سرکاری سطح پر بھی مسلمانوں کے یہاں مضبوط نظام کفالت موجود تھا اور امراء اس ذمہ داری کو فریضے کے طور پر ادا کرتے تھے، عہد جدید میں یہ روایت متروک ہوگئی ہے اور لفظ بھی متروک ہو گیا ہے کبھی کبھی منفی معنوں میں طنزاً استعمال کیا جاتا ہے۔

[الول کھیل . اگول]: گھوڑے یا بچھڑے کی اچھل کود بقر عید اس اصطلاح کے استعمال کے لیے مناسب موقع ہے جب شہروں میں رہنے والے بچے ان مناظر کا نظارہ کرتے ہیں۔

[انواسنا]: کورے برتن کو پانی وغیرہ ڈال کر مستعملہ بنانا، عورتیں اب بھی نئے برتن کے استعمال سے پہلے پانی ڈال کر چھوڑ دیتی ہیں لیکن اس کیفیت یا عمل کو لفظوں کا پیرہن دینے سے قاصر رہتی ہیں ان کی عاجزی ناقابل بیان ہے۔

[اُوربل]: بالوں کی وہ لٹیں جو عورتیں دونوں کنپٹیوں پر جماتی ہیں۔

[اونجری]: مسلمان زمیندار فصل کے اناج میں کچھ حصہ کسی بزرگ یا پیر کے نام پر الگ کر دیتے ہیں، یہ حصہ زکوٰۃ، عشر، صدقات، خیرات کے سوا ہوتا تھا، انفاق کی روایت بہت مستحکم تھی اب نفاق کی روایت مستحکم ہے یہ روایت سے جدیدیت کا سفر ہے۔

[ایمہ]: علماء فقراء، سجادہ نشینوں کو دی ہوئی زمین، قدیم عہد میں علماء کو اہم مقام حاصل تھا اب یہ مقام سیاست دانوں اور عسکری وانتظامی اشرافیہ کو دے دیا گیا ہے۔ طاقت کا دائرہ بدل گیا۔

[باختری]: شہر کا وہ علاقہ جہاں گانے بجانے والے رہتے ہیں گویوں، اور مغنیوں کو قدیم معاشرے میں اعلیٰ درجہ حاصل نہ تھا۔ ایک الگ مخلوق کے طور پر جانے جاتے اور الگ رہتے تھے، لوگ ان سے گانے سن لیتے لیکن خود یہ کام پسند نہ کرتے، دوسری صورت اب بھی برقرار ہے۔ حسین شہید سہروردی وزیر اعظم پاکستان سے فلم سازوں، گلوکاروں، اداکاروں وغیرہ کا وفد سے ملاقات کے لیے ایوان وزیر اعظم آیا، ملاقات کے اختتام پر وفد نے تصویر کھنچوانے کی خواہش کا اظہار کیا تو سہروردی نے انکار کر دیا، پچاس کے عشرے تک ہمارے حکمرانوں کا رویہ قدیم

روایت کا اظہار تھا، اب صورت حال یکسر مختلف ہوگئی ہے حکمراں خود بھی گانے لگے ہیں۔

[**بادریہ**]: روشن دان جو مکان کی چھت میں ہوا آنے جانے کے لیے یا مکھیوں، مچھروں، پتنگوں کو نکالنے کے لیے بناتے تھے، جدید فن تعمیر میں یہ روایت بھی متروک ہوگئی۔

[**باری وار**]: وہ پہرہ دار جو باری باری پہرہ دیتے ہیں اتنی عمدہ اصطلاح بھی متروک ہوگئی ہے۔

[**بالوعہ**]: وہ تنگ منہ کا کنواں جس میں بیت الخلا وغیرہ کا پانی ڈالا جاتا ہے۔ یہ کنواں آج بھی موجود ہے لفظ غائب ہے۔

[**بانڈا**]: عضو بریدہ مخنون۔ بنگالی ہندو مسلمانوں کو حقارت سے کہتے تھے، معذور افراد کے لیے یہ لفظ استعمال کیا جاسکتا ہے۔

[**باولی**]: بڑا کنواں جس میں اترنے کی سیڑھیاں ہوں، شہروں میں یہ کنوئیں ختم ہوگئے ہیں، کراچی میں اس قسم کا آخری کنواں جامعہ ملیہ ملیر کی مرکزی مسجد کے سامنے تھا اسے بھی پاٹ دیا گیا ہے۔

[**ببروتا**]: مسخرہ آوارہ اب انھیں کامیڈین کہا جاتا ہے۔

[**بت**]: مسلوں اور کتابوں میں ناموں کو الگ کرنے کے لیے کھینچی جانے والی لکیر، یا حساب کتاب کی مدات علیحدہ کرنے کے لیے کھینچی گئی لکیریں۔

[**بتوری**]: ورم جو سخت ہوجاتا ہے۔

[**بتھرانا**]: پھینکنا،.....چھڑکنا ضائع کرنا۔ عورتیں یہ لفظ بھول گئیں۔

[**بجکا**]: کھیت کی حفاظت کے لیے پھونس کا بنا پتلا، اب اسے پُتلا بولتے ہیں۔

[**بچالا**]: ایسی جگہ جہاں آسانی سے خیال یا نگاہ نہ جاسکے، عورتیں اپنی چیزیں اکثر ایسی جگہوں پر رکھتی ہیں لیکن اس جگہ کے نام سے ناواقف ہیں۔

[**بداھنا**]: بیج ڈالنے کے فوری بعد اسے ڈھکنے کے لیے ہل چلانا۔

[**بربنڈ**]: بے باک، بے شرم

[**بردھانا**]: نسل کشی کے لیے گائے کو سانڈ سے جفتی کرانا، اس پورے عمل کو کتنی خوبصورتی سے ایک لفظ میں سمو دیا گیا ہے۔ فصاحت و بلاغت عہد قدیم کا اعجاز تھا، جدیدیت پسند طبائع اس جوہر سے عموماً محروم ہیں۔ حیاء دن بہ دن کم ہوتی جارہی ہے۔

[**بروٹ**]: پیٹ کا ورم، کتنا شائستہ لفظ ہے۔

[**بروٹھا**]: ملحقہ کمرہ، بغلی کمرہ، کوٹھری، اندرونی حصہ ڈیوڑھی۔

[برھا]: وہ پتلی نالیاں جن کے ذریعے ایک کھیت سے دوسرے کھیت میں پانی پہنچایا جاتا ہے۔

[بسارنا]: بھولنا،محو ہونا۔ متروک الفاظ میں بیشتر عورتوں کے استعمال کے ہیں اس حوالے سے تحقیق

[بساھنا]: خریدنا مول لینا۔ کی ضرورت ہے۔

[بغلانا]: راستہ چھوڑنا،راستہ سے ایک طرف ہوجانا، یہ تہذیب اب رخصت ہوگئی ہے لوگ راستوں پر کھڑے رہتے ہیں اور راستہ دیتے ہوئے تردد فرماتے ہیں،تہذیب ختم ہوئی تو لفظ بھی رخصت ہوگیا۔

[بُکلانا]: احمقوں کی سی حرکتیں کرنا، بے وقوفوں کی طرح بولنا۔

[بگیر بچہ]: مسلمانوں میں بچے کی پیدائش سے متعلق ایک رسم،اس قسم کی رسوم کا تاریخی اور تنقیدی جائزہ مرتب کیا جائے تو ہند میں مسلمانوں کے زوال کی وجوہات کا تعین آسان ہوگا۔ ہر گھر، خاندان، قبیلے،شہر میں اس قدر رسوم تھیں اور ان رسوم پر اٹھنے والے اخراجات اور ضائع ہونے والے وقت کا تجزیہ کیا جائے تو ہوش ربا نتائج سامنے آئیں گے۔ایک اور رسم تالے دکھانا ہے، جریدہ شمارہ ۲۵ صفحہ ۳۰۲ ملاحظہ کیجیے اس رسم کی تفصیل وہاں ہے۔ ''رامے خور'' روہیل کھنڈ کے مسلمانوں کی قومی رسم اسے بھی متروک الفاظ کی لغت میں دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ رسومات بتاتی ہیں کہ وقت، دولت اور صلاحیتیں کس طرح ضائع کی جاتی تھیں۔

[بلائی]: کواڑ بند کرنے کی لکڑی۔

[بجھوٹی]: مانع حمل، دواعصر حاضر میں اس کا استعمال عام ہے افسوس ہے کہ بولنے والے اس دوا کے لیے آسان لفظ سے محروم ہیں۔

[بندر گھاؤ]: وہ زخم جو بڑھتا چلا جاتا ہے بندر کا زخم خشکی پر آتا ہے تو اسے نوچ ڈالتا ہے، یہ زخم آج بھی موجود ہے اس کا علاج بھی ہوتا ہے، مریض مرض کو بیان نہیں کرسکتا، ڈاکٹر کہتے ہیں خطرناک Infection ہے۔

[بنولا چابنا]: فضول باتیں کرنا، یہ کام عہد جدید میں عام ہے لیکن اصطلاح مفقود۔

[بوچا]: ایک سواری جسے پالکی کی طرح کہار اٹھاتے ہیں، حج کے موقع پر بانڈوں کے لیے استعمال ہونے والی کرسی کو بوچا کہا جاسکتا ہے۔

[بوجنا]: دبک کر بٹھنا،گھات میں بیٹھا جسم دبا کر بیٹھنا۔

[بُور کے لڈو]: بھوسی کے لڈو جو دیکھنے میں خوشنما ولذیذ مگر گلے میں پھنستے ہیں، مجازاً ہر خوشنما چیز مگر تکلیف دہ اور خراب، یہ اصطلاح بھی اب متروک ہوگئی ہے۔

[بوھنی]: دن کی پہلی بکری، چھوٹے تاجروں میں یہ لفظ اب بھی مستعمل ہے مگر بڑے تاجروں نے اسے ترک کر دیا ہے۔

[بھائی]: پری یا روح جو بچوں کو سوتے میں ہنساتی اور رلاتی ہے۔

[بھٹیھال]: دریا کے بہاؤ کے ساتھ، بھٹیانا

[بھدرا]: نامبارک

[بھرمانا]: لالچ دے کر اکسانا بھڑنا،

[بہری]: چندہ، قسط، حصہ برابر کا حصہ باری

[بھگل نکالنا]: جھوٹی غربت ظاہر کرنا

[بہلا]: بانجھ جانور

[بھنبھوا]: فقیر جو فاقہ کے سبب لٹیرا بن گیا ہو، اس دور کے فقیر بھی جرأت مند تھے، اس عہد کے فقیر خودکشی کر لیتے ہیں، خودکشی کی شرح بہت بڑھ گئی ہے پاک و ہند کی قدیم تاریخ میں میں کبھی اتنی خودکشیاں نہیں ہوئیں جب کہ وہ سلاطین، ملوک اور بادشاہوں یعنی آمریت ڈکٹیٹرشپ کا دور تھا اور اب جمہوریت کا دور ہے جمہور کی حکومت ہے۔

[بھیگی بلی بتاتا ھے]: حقیقت معلوم کیے بغیر اندازے پر باتیں بنانا جو کبھی درست بھی ہو جاتی ہیں، ایک امیر کا خاص مصاحب تھا اس نے پوچھا کیا بارش ہو رہی ہے، اس نے بیٹھے بیٹھے بتا دیا کہ بارش ہو رہی ہے، امیر نے پوچھا کیسے معلوم ہوا، ارشاد ہوا باہر سے ایک بلی آئی تھی اسے چھو کر دیکھا تو بھیگی تھی اس سے سمجھا کہ بارش ہوتی ہے۔ یہ عمدہ محاورہ ہے۔

[بیتال]: وہ بدروح جو مردہ پر متصرف ہوگئی ہے۔

[بیٹرن]: کسبیوں کا ایک فرقہ، بیٹرن اور گھڑ چڑھی ہندو فرقے ہیں گھر چڑھی سب سے اعلیٰ ہے اس لفظ کی تحقیق سے ہندوستان میں کسبیوں کے ادارے کی پوری تاریخ معلوم کی جا سکتی ہے۔

[بیلابردار]: وہ شخص جس کے ذمہ امیر کی سواری نکلتے وقت، روپیہ نچھاور کرنے کی خدمت ہو یہی رسوم و رواج زوال کا سبب بنے۔

[بینڈا]: مشکل سے قابو میں آنے والا، دروازے کو روکنے کی لکڑی۔

[بینی]: لکڑی کا ٹکڑا جو دروازہ بند کرنے کے بعد جھری کو بند کرنے کے لیے لگاتے ہیں پٹ کا وہ حصہ جو دوسرے پٹ پر بند ہوتے وقت اوپر آ جاتا ہے۔

[بیونگا نہیں پھرا]: وہ ضدی بچہ جس کی کھال نہ ادھیڑی گئی ہو۔

[پارہ دوز]: جوڑ پیوند لگانے والا، پہلے یہ کام کرنے والے بہت نظر آتے تھے، اب برائے نام رہ گئے ہیں، لوگ پیوند

زدہ یا رفو کردہ کپڑے پہننا پسند نہیں کرتے، گھریلو اخراجات میں اضافہ کا سبب سادگی کی روایت سے انحراف ہے۔

[پاکھا]: مکان کی دیوار کے ساتھ چھپر وغیرہ ڈال کر خادم نوکروں کے لیے ایک سایہ دار جگہ بنادی جاتی ہے یہ جگہ آج بھی بنائی جاتی ہے مگر اس کے لیے کوئی لفظ مستعمل نہیں ہے۔

[پاکی لینا]: مخفی اعضاء سے بال صاف کرنا، یہ اصطلاح بھی شاذ مستعمل ہے مگر عمدہ اصطلاح ہے، عہد قدیم میں حجام سے استرے لے کر پاکی لی جاتی تھی، اب استرے عام ہوگئے ہیں، لہٰذا پاکی کے عمل سے حجام بے دخل ہوگئے ہیں اور گھروں میں یہ عمل کرلیا جاتا ہے۔

[پایل]: سر کے بجائے پاؤں کی طرف سے پیدا شدہ بچہ۔

[پتنگ]: اس لفظ کی تشریح میں خالد حسن قادری نے جو حوالے دیئے ہیں ان کا مطالعہ دلچسپ ہے۔ بادشاہ وقت اور شاہی خاندان کا دلچسپ مشغلہ پتنگ بازی تھا، اس موضوع پر تحقیق مزید کی جائے تو پتنگ سے متعلق صنعت، شوق، جذبات، کیفیات، اصول وضوابط پر مشتمل ایک لغت مرتب ہوجائے گی۔ پتنگ میں دلچسپی لینے والے پتنگ کی طرح کٹ کر رہ گئے۔

[پتواس]: پرندوں کے بیٹھنے کا اڈہ، بانس میں مربع چھتری باندھ کر چھت پر کھڑا کردیتے ہیں، یہ اڈہ اب بھی گھروں پر نظر آتا ہے لیکن لفظ متروک ہوگیا ہے۔

[پٹوا]: پٹوا گھڑ ہوتا تو پہلے اپنی داڑھی رنگتا۔ رنگ والے کے لیے لفظ متروک ہوگیا۔

[پرکھیا]: آزمائش کرنا

[پسا]: دونوں ہاتھ بھر کسی چیز کا آنا — خواتین کے الفاظ ہیں لیکن خواتین اب گھریلو کام کم کر رہی ہیں لفظ

[پکھارنا]: کھنگالنا پاک کرنا — متروک ہو رہے ہیں۔

[پکھروٹا]: پان کی گلوری یا بیڑے پر لپٹا چاندی یا سونے کا ورق، بعض اسے نخرہ کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں اور عام لوگ کسی رکاوٹ یا مسئلے کو پکھروٹ کہتے ہیں۔

[پنگا]: خمیدہ، ٹانگوں والا

[پیپلا]: تلوار کی نوک، ۱۹۷۰ء کے انتخابی معرکے میں ''جماعتی'' کی پھبتی کے مقابلے پر پیپلا کی پھبتی ایجاد کی گئی جو آج تک مستعمل ہے لیکن بولنے والے اس لفظ کے مفہوم سے ناواقف ہیں۔

[پنیڈی]: سردیوں کے موسم میں گھروں میں تیار کی جانے والی مغزیات ومقویات کی ایک قسم اب گھروں میں سردیوں کا استقبال بازار کی مٹھائیوں، مغزیات اور مقویات سے ہوتا ہے، حالاں کہ ہر گھر میں ''فوڈ فیکٹری'' موجود ہے، سہل پسندی اور آرام طلبی جدیدیت کا خاص وصف ہے۔

Quran

[تـاقی]: گھوڑے کی دونوں آنکھوں کا مختلف رنگ ہونا، بلی وغیرہ کی بھی دورنگی آنکھیں ہوتی ہیں۔اس کے لیے کوئی لفظ نہیں ملا۔

[تپکنا]: پھوڑے میں پس پڑنے پر ٹیس اٹھنا۔ٹیس حاضر لفظ غائب۔

[تربندی]: زخم دواؤں میں بھیگی پٹی باندھنا

[ترپولیا]: ایسی عمارت جس کے تین دوازے ہوں۔

[تـمبـاکو]: اس لفظ سے متعلق دلچسپ معلومات خالد قادری صاحب نے مہیا کی ہیں۔جس میں درباری حکیم کی ذہانت، فطانت اور دوراندیشی بیان کی گئی ہے جس نے اکبر کو تمبا کو پینے سے منع کر دیا تھا۔اب مغرب نے تمبا کو کو زہر قرار دے دیا ہے۔

[تـنـاخور]: تنہا کھانا کھانے والا، دوسروں کی ضرورت وتکلیف سے بے پروا، یہ اصطلاح بھی متروک ہوگئی ہے جب کہ جدیدیت کے باعث یہ رویہ عام ہوگیا ہے۔

[تھانگ]: خفیہ مقام جہاں چور مال مسروقہ رکھتے ہیں۔

[تہایت]: تین چار آدمیوں پر مشتمل تحقیقاتی مجلس جو کسی مسئلے پر ثالثی کرے۔

[بـٹھـانـا]: قوت لایموت کے لائق روزینہ دینا، اگر پہلے یہ کام غیر سرکاری سطح پر ہوتا تھا تو اب سرکاری سطح پر ہوتا ہے، سرکاری ملازمین کے مشاہروں کے لیے یہ اصطلاح برمحل ہے، لیکن بٹھانا کے بجائے تنخواہ مستعمل ہے۔

[ٹپک نـویـس]: وہ اخباری نمائندہ جو محض سنی سنائی باتوں کو بطور خبر کے پیش کرے۔عصر حاضر کی صحافت کے لیے یہ اصطلاح نہایت برمحل ہے۔ایک اور اصطلاح جو اردو اخبارات کے لیے مستعمل ہے۔وہ He said Journalism کیونکہ اردو اخبارات بیانات اور پریس ریلیز کثرت سے اور شوق سے شائع کرتے ہیں۔ عدالتوں میں بعض وکیل مقدمہ چلانے کے بجائے تاریخیں لیتے رہتے ہیں ان کے لیے ''تاریخی وکیل'' کی اصطلاح مستعمل ہے۔

[ٹھٹھانا]: افسوس رنج میں اپنا سر خود پیٹنا

[ٹھیپی]: بوتل کا منہ بند کرنے کی روک

[ٹہا کا]: زور کی آواز، ملاقات جس میں دوستی اور مواسات کی بہت نمائش ہو

[جامگی خوار]: اس نوکر کو کہتے ہیں جس کی تنخواہ کچھ نہ ہو روٹی کپڑے پر اس سے کام لیتے ہوں، قدیم عہد میں اس بات کا خیال رکھا جاتا تھا کہ ہر فرد کے عہدے سے اس کی معاشرتی حالت کا اندازہ ہو جائے اور اس کے طبقے کا تعین بھی۔جدید عہد میں جامگی خوار بہت بڑھ گئے ہیں لیکن انھیں خادم اور چوکیدار کہہ کر اصل حقیقت چھپا دی جاتی

Quran

ہے۔سرکاری افسران کے گھروں میں جدید طرز کے جاگی خوار کثرت سے نظر آتے ہیں، انھیں تعلقات کے ذریعے سرکاری ملازمت دلادی جاتی ہے اور گھر میں روٹی رہائش دے کر خدمت کے لیے مختص کرلیا جاتا ہے۔اس کے علاوہ بہت سی کوٹھیوں اور بھٹوں میں جاگی خواروں کی کثرت ہے۔

[**جز گیر**]: کتاب پڑھتے ہوئے اسے کھلا رکھنے کی چیز'' بک مارک'' یہ لفظ بالکل اجنبی ہوگیا ہے اور کتاب بھی پاکستانی معاشرے میں اجنبی شہ ہوگئی ہے۔

[**جھٹاس**]: خالد قادری صاحب نے اسے شراٹا لکھا ہے لیکن احسان دانش نے مچھلی کے تلے جانے سے پیدا ہونے والی آواز کو شراٹا کہا ہے چھٹاس لفظ مینہ کی زوردار آواز کے لیے معروف ہے۔

[**جھوجھرا**]: چینی یا مٹی کا غیر پختہ برتن جسے بجا کر دیکھیں تو کھنکھناتی ہوئی آواز نہ نکلے۔

[**جیھـــٹری**]: مٹی کے گھڑے پانی بھر کر تلے اوپر رکھ کر سر پر لے جاتے ہیں، گھڑوں کی یہ ترتیب جیھٹری کہلاتی ہے۔شہروں اور دیہاتوں میں یہ عمل آج بھی جاری ہے لیکن لفظ متروک ہے۔

[**چراغی**]: فقراء کو دی جانے والی خیرات یہ رقم انفاق کی شرعی اقسام کے سوا ہوتی تھی جس سے قدیم معاشرے کی فیاضی کا اندازہ ہوتا ہے فیاضی کی روایت جدیدیت کے زیر اثر اعلیٰ معیار زندگی، اور ہوس زر کے باعث دن بہ دن کمزور سے کمزور تر ہوتی جارہی ہے۔

[**چرنٹی**]: وہ بالغ کنواری یا جوان شادی شدہ لڑکی جو ماں باپ کے گھر میں رہے۔

[**چشک**]: امراء کے ہاں کا وہ کھانا جو دستر خوان سے بچ جاتا ہے اور ملازموں کے کام آتا ہے آج کل اس کھانے کا مقام فریج اور فریزر ہے۔

[**چمربرھی**]: موسم سرما کے ختم ہونے کے بعد جو بارش ہو آج کل اس بارش کے لیے کوئی لفظ نہیں ہے۔

[**حـاضری**]: دیہات میں کڑوا پانی کہلاتا ہے، دہلی میں حاضری میں مردے کی تدفین کے بعد قریب یا آشنا کے گھر سے مرنے والے کے گھر کھانا آتا تھا۔ پہلے پہل پڑوس سے کھانا لازماً آتا تھا اب یہ روایت ختم ہوتی جارہی ہے، رشتہ دار بندوبست کرتے ہیں، ورنہ گھر والے ہوٹل سے کھانا منگوا لیتے ہیں، رشتے ناتے کمزور ہوگئے ہیں۔ حاضری غیر حاضر ہے۔

[**خصـی پـر نالـہ**]: ایسا خفیہ پرنالہ جس کا پانی دیوار کے اندر ہی اندر گرتا ہو، قدیم طرز تعمیر میں اس پرنالے کے باعث بارش رکنے کے بعد شور محشر بپا نہیں ہوتا تھا، آج کل بارش رکنے کے بعد کئی گھنٹے تک پرنالے سڑک اور گھر میں گرتے رہتے ہیں اور پریشانی کا سامنا ہوتا ہے۔

[**دانـایاں فرنگ احمقان ھند**]: یہ محاورہ نہایت دلچسپ ہے اور آج کل حسب حال ہے کہ فرنگ کے دانا ہند

کے احمق کے برابر ہوتے ہیں۔

[**دنداں مزد**]: فقراء وغیرہ کو ان کی دعوت کے بعد پیش کردہ نذرانہ، یہ روایت اب خال خال ہے۔

[**راھنا**]: چکی یا سل کو نوک دار آلہ سے ضرب لگا کر کھردرا کرنا۔ سل والے بھی ختم ہو رہے ہیں۔

[**سنکل**]: دروازے کی زنجیر، کنڈی، تالا زنجیر کتنا عمدہ لفظ متروک ہو گیا۔

[**سنگ فرش**]: پتھر کے وہ تراشیدہ ٹکڑے جو فرش کے چاروں طرف اسے دبانے کے لیے رکھے جاتے ہیں تاکہ ہوا سے نہ اڑے دو عشرے قبل کراچی کی مساجد اور گھروں میں ریت کی چھوٹی چھوٹی تھیلیاں اس مقصد کے لیے استعمال ہوتی تھیں اور ان کا کوئی نام نہ تھا۔

[**سھرنا**]: جاڑے میں کپکپانا، ٹھٹھرنا، کتنا خوبصورت لفظ متروک ہو گیا۔

[**سیل**]: تفریح کے لیے کسی مقام پر جانا، پکنک کا یہی ترجمہ ہے، سیل سے سیلانی نکلا ہے۔ مگر سیل متروک ہو گیا۔

[**سنبدھ**]: وہ سوراخ جسے چور چوری کرنے کے لیے دیوار میں بناتے ہیں۔

[**شبنمی**]: وہ موٹی چادر جو کھلے آسمان کے نیچے سوتے وقت پلنگ پر بطور چھت تان دیتے ہیں اوس سے بچنے کے لیے باہر سونے کا رواج ختم ہو گیا، رہی سہی کسر فلیٹوں نے پوری کر دی۔

[**شرطی**]: لاٹری، قرعہ اندازی۔

[**شمسہ**]: پھندنا جو تسبیح وغیرہ میں لگاتے ہیں۔

[**شمسی**]: نوکر پیشہ ملازم عورتیں، ماہواری کے دوران تین چار دن کی رخصت کا حق رکھتی تھیں یہ رخصت شمسی کہلاتی تھی، یہ سہولت، آمریت، بادشاہت، ملوکیت اور جہالت کے زمانے میں دی جاتی تھی، مغرب اور جدید جمہوریتوں میں ایسی سہولت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قدیم عہد میں خاص دائرے میں کام کرتی تھیں، جدید عہد میں مساوات کے غیر اسلامی فلسفے کے تحت عورت اور مرد کو برابر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اگر یہ سہولت مہیا کر دی جائے تو تمام ادارے اپاہج ہو جائیں گے اور سرمایہ داری کی خدمت ممکن نہ ہوگی۔

[**شیشا**]: قارورہ یا قارورہ رکھنے کا برتن آج کل اس کے لیے Bed pan کا لفظ عامی و عالم یکساں استعمال کرتے ہیں۔

[**صنم کا کھیل**]: مولوی سید احمد صاحب دہلوی لکھتے ہیں:

اس کھیل کو اس طرح شروع کرتے ہیں کہ چند ہم عمر باہم مل کر ایک جگہ بیٹھ جاتے ہیں اور دائیں جانب سے حرف الف کا دورہ شروع کرتے ہیں یعنی ان میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ صنم آمد، دوسرا اس سے پوچھتا ہے از کجا؟ وہ کہتا ہے از احمد نگر۔ غرض آخیر تک اسی طرح اس سے سوال کرتے جاتے ہیں۔ وہ ہر ایک کا جواب دیتا جاتا ہے جب

الف کا دورہ ختم ہوجاتا ہے تو بے کا دورہ شروع کرتے ہیں اور اسی طرح یے تک لے جا کر ختم کر دیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ایک چیز کا جواب دینے میں بھی عاجز و قاصر رہتا ہے تو اسے اس طرح شرمندہ کرتے ہیں کہ جس حیوان کی چاہتے ہیں اس سے بولی بلواتے ہیں۔ بعض لوگ الف، عین، حا، ہا، سین، صاد، ذال، زائے، ضاد، ظا کا فرق نہیں کرتے اور زیور و شیرینی وغیرہ چاہتے ہیں سو پوچھ بھی لیتے ہیں۔ تمثیلاً یہاں ایک سوال کر کے اس کا جواب بھی لکھا جاتا ہے۔ صنم آمد؟ از کجا؟ از احمد نگر، کجا می رود؟ بہ آگرہ۔ برچہ سوار است؟ اشتر۔ چہ پوشیدہ است؟ اچکن۔ دردست چہ دارد؟ انگشتری۔ چہ می خورد؟ انگور۔ چہ می نوشد؟ آب۔ چہ می سراید؟ ایمن کلیان۔ شعرے ہم یاد دارد؟ آرے (یہاں پر چاہے جس زبان کا شعر پڑھے اختیار ہے) اس کھیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ قدیم عہد میں کھیل بھی محض اچھل کود اور ہنگامہ ہائے کے لیے نہیں ہوتے تھے ان میں بھی مقصدیت ہوتی تھی اور کھیلنے سے بچوں کی صلاحیتیں پروان چڑھتی تھیں۔

[**عرب سرائے**]: عرب سرائے دہلی کے ایک مشہور علاقے کا نام ہے۔ فرہنگِ آصفیہ کے مؤلف مولوی سید احمد صاحب نے خود اس کا مختصر حال اس طرح لکھا ہے:

''یہ ایک تین دروازے کی چھوٹی سی بستی شاہجہاں آباد عرف دہلی سے تین میل کے فاصلہ پر جانب جنوب موضع غیاث پور میں مقبرہ ہمایوں کے متصل اور درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء قدس سرہ العزیز کے قریب واقع ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت نظام الدین اولیاء اکثر اس سرزمین پر تشریف لا کر بیٹھا کرتے اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس سرزمین سے کمال انسیت ہے۔ کیوں کہ یہاں سے مجھے بوئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آتی ہے۔ یہ بستی ۱۴ جلوس اکبری مطابق ۹۴۹ ہجری قدسی میں نواب حاجی بیگم صاحبہ ہمایوں بادشاہ کی بیوی نے حج سے آنے کے بعد بسائی تھی۔ جس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب نواب حاجی بیگم صاحبہ مکہ معظّمہ کے حج کو تشریف لے گئیں تو وہاں سے انھوں نے ایک ایسا تحفہ لانا چاہا جس سے تمام ہندوستان میں بزرگی اور قیام کے ساتھ ان کا نام یادگار رہے۔ چناں چہ انھوں نے وہاں کے علماء فضاء کی رائے سے نہایت نجیب الطرفین عرب جو حضر موت اور خاص بیت اللہ کے رہنے والے عابد زاہد اور فاضل تھے مع شجرہ شرافت مختلف قبیلوں سے اسی مرد بہم پہنچائے۔ ان میں فقیہہ باحسن، باوجود، سقاف، باطہ، باکثیر وغیرہ اور ان کے خدمتی لوگ تھے۔ حاکم عرب کی اجازت سے ان کو یہاں لائیں اور موضع غیاث پور میں انھیں کے نام پر ایک گاؤں بسا کر عرب سرائے کے نام سے نامزد کیا۔ ان لوگوں نے یہاں آ کر اس بستی کو نمونۂ عرب بنا دیا۔ جا بجا عربی کھجور کے درخت، عرب کا ملوکا ساگ لگایا۔ قہوہ اور صلوٰۃ کو رواج دیا۔ اس واقعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انحطاط کے دور میں بھی مسلم حکمرانوں کو رسالت مآبؐ سے کتنی محبت تھی۔

[**غچلی پن**]: آج کل دعوتوں میں کھانے کے موقع پر جو رویہ ہوتا ہے اس کے لیے موزوں اصطلاح ہے۔ یہ رویہ ماضی میں متروک تھا اب لفظ متروک ہے۔

Quran

''ثقل دان'' نہایت اہم مگر فراموش شدہ لفظ

ہمارا دسترخوان اس برتن سے کیوں محروم ہے؟

دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس کے یہاں دسترخوان کا اہتمام نہ ہوتا ہو اور کھانے کے دران منہ سے کوئی ناگوار چیز نہ نکالی جاتی ہو۔ اس صورت حال کا فطری اور منطقی تقاضا یہ بھی ہے کہ کھانے کے دوران منہ سے نکالی جانے والی فاضل گراں بار ناپسندیدہ چیزیں مثلاً پدینہ، دھنیہ کے پتے، ٹماٹر کے چھلکے، گرم مصالحہ کے اجزاء وغیرہ اور وہ لقمے جو کسی کنکر یا کسی ناگوار ذائقے کے باعث منہ سے ادھ چبی حالت میں نکال دیئے جاتے ہیں انھیں رکھنے کا بھی کوئی معقول نفیس اور شائستہ انتظام کیا جائے۔ دنیا کی وہ قومیں، وہ تہذیبیں، وہ سلطنتیں اور سلاطین جہاں خورونوش زندگی کا اہم ترین حصہ سمجھے جاتے ہیں وہاں دسترخوان پر ایک ایسے برتن کا وجود لازمی ہے جس میں منہ سے نکالے ہوئے نوالے، ریخیں اور خرتیچیں رکھی جائیں اور جس برتن میں انھیں رکھا جائے وہ برتن اتنا گہرا ہو کہ اس میں ڈالی گئی اشیاء دسترخوان کے شرکاء کی نظروں سے اوجھل رہیں تاکہ کراہت پیدا نہ ہو اور نفیس ترین لوگ ابکائی پر مجبور نہ ہوں۔

برعظیم پاک و ہند جہاں ریاستوں، نوابوں اور مہاراجوں کے یہاں قسم قسم کے دسترخوان بچھانے، سجانے اور دکھانے کی تاریخی روایت بڑی مضبوط ہے وہاں کے معاشروں میں دسترخوان پر ایسے کسی برتن کا سراغ نہیں ملتا جس میں کھانے کے دوران نکالے جانے والی ناگوار، گراں بار، فاضل، فالتو، ناپسندیدہ اشیاء رکھی جاسکیں۔ جہیز میں دیے جانے والے برتنوں، ڈنرسیٹ وغیرہ بھی ایسے کسی برتن کے وجود سے خالی ہیں۔ اردو، ہندی، سندھی، کشمیری، بروشسکی، پنجابی، پشتو اور دیگر مقامی زبانوں میں بھی ایسے برتن کے لیے کوئی لفظ موجود نہیں۔ مقامی زبانوں سے ہٹ کر سامی النسل زبانوں عبرانی اور ہندآریائی زبانوں مثلاً فارسی، اردو، انگریزی، جرمنی اور التائی خاندان کی زبان ترکی اور غیرنوعی زبانیں مثلاً جاپانی،

Quran

چینی اور کوریائی میں بھی اس قسم کے برتن کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ یہ بات ہمارے لیے ناقابلِ یقین تھی کہ اردو زبان جس کا خصوصی تعلق دسترخوان سے رہا ہے وہ اتنے اہم برتن سے کیوں محروم ہے اور اب نہ تو ایسے کسی برتن کا کوئی وجود پایا جاتا ہے اور نہ ہی ایسے کسی برتن کا نام ہمارے ذخیرہ الفاظ میں موجود اور متروک الفاظ میں شامل ہے۔

اس سلسلے میں مرکزی اردو لغت بورڈ کے مدیر اور نائب ناظم مرزا نسیم بیگ اور جناب ڈاکٹر رؤف پاریکھ سے رہنمائی کی درخواست کی گئی۔ لیکن انھوں نے اردو لغت بورڈ میں محفوظ ذخیرہ الفاظ سے ایسے کسی لفظ کی نشان دہی سے معذرت کی۔

جناب ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب، ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب اور ڈاکٹر معین الدین عقیل صاحب سے رہنمائی کی درخواست کی گئی لیکن ایسا کوئی لفظ ان کی نظر سے نہیں گزرا۔ ڈاکٹر اسلم فرخی نے تابش دہلوی صاحب سے رابطہ کرنے کی ہدایت کی کہ وہ دہلی کی آبرو ہیں لیکن تابش دہلوی صاحب نے بھی دہلی کے دسترخوانوں میں ایسے کسی برتن کے وجود سے لاعلمی ظاہر کی اور کسی اصطلاح یا ان اشیاء کے لیے دسترخوان پر رکھے جانے والے کسی برتن کے وجود یا نام سے لاعلمی ظاہر فرمائی۔ اس سلسلے میں فارسی کے محققین جناب ساجداللہ تفہیمی اور محترمہ ریحانہ افسر صاحبہ سے رابطہ کیا گیا تو انھوں نے بتایا کہ فارسی زبان میں ایسا کوئی برتن نہیں ہوتا۔ البتہ اس مقصد کے لیے جو طشتری وغیرہ استعمال کی جاتی ہے اسے عموماً بشخابِ اشغالہ یا بشخابِ اضافی کہتے ہیں۔ یہ اصطلاحی لفظ نہیں ہے اور نہ ہی لغت کا حصہ ہے۔ اشغالہ فارسی میں کچرے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کھانے کے دوران منہ سے نکالی جانے والی ناگوار اور طبیعت پر گراں بار اشیاء کو کچرا کہنا نفاستِ زبان وطبیعت کے خلاف ہے لیکن فارسی میں منہ سے نکالے جانے والی اشیاء کے لیے کچرے کے سوا کوئی اور لفظ میسر نہیں۔ عربی زبان کے سلسلے میں ممتاز محقق اور ماہرِ لغت حضرت مفتی عبدالرشید نعمانیؒ صاحب کے فاضل فرزند ڈاکٹر عبدالشہید نعمانی صاحب سے رجوع کیا گیا تو انھوں نے عربی زبان کے ذخیرہ الفاظ میں منہ سے نکالے جانے والی اشیاء کے لیے کوئی خاص لفظ یا اصطلاح یا ان اشیاء کے رکھے جانے والے برتن کے وجود سے لاعلمی ظاہر فرمائی اور یہ بلیغ تبصرہ بھی فرمایا کہ عرب سیدھے سادھے بادیہ نشین تھے وہ تکلفات کے خوگر نہ تھے ان کے یہاں اس طرح کے الفاظ کا ملنا ممکن نہیں۔

گوئٹے انسٹی ٹیوٹ کے ناظم سے اس ضمن میں رابطہ کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ جرمن زبان میں ان اشیاء کے لیے استعمال کیے جانے والے برتن کو Knochen Teller یعنی ہڈی کی رکابی یا طشتری یا غوری اور منہ سے نکالے جانے والی اشیاء کے لیے Muell یعنی لفظ کچرا استعمال کیا جاتا ہے۔ انھوں نے یہ

Quran

بھی بتایا کہ دسترخوان پر کھانا بچا کر پھینک دیا جاتا تھا۔ یہ رویہ ان کی قدیم ثقافت کا حصہ تھا ایسے کھانے کو Ansatzfrest کہتے ہیں۔ ہماری معلومات کے مطابق جرمنی کے تمام ریستورانوں اور ہوٹلوں میں ایک مرتبان نما برتن کھانے کی میز پر موجود رہتا ہے جس پر عموماً ڈھکن بھی ہوتا ہے تاکہ منہ سے نکالی جانے والی فاضل اشیاء، خریج اور ریخیں اس مرتبان میں ڈالی جائیں تاکہ کھانے والوں کی طبیعت پر گراں نہ گزرے۔ لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس برتن کے لیے جرمن زبان میں کوئی اصطلاح یا خاص نام موجود نہیں۔ ہڈی کی طشتری ایک غیر فصیح اصطلاح ہے جو وسیع مفہوم کی حامل نہیں۔ سندھی زبان میں منہ سے نکالی جانے والی اشیاء کو اوگا چھنٹر (اوگا چٹ) اور کچرے کے لیے گند، کیچڑ وکا لفظ مستعمل ہے۔

اس تحقیق کے دوران یہ بات سامنے آئی کے ازبک اور فرانسیسی زبانیں نفاستِ خیال اور نفاستِ بیان وزبان کے اعتبار سے اس معاملے میں تمام زبانوں پر فوقیت رکھتی ہیں۔ کھانے کے دوران منہ سے نکالی جانے والی اشیاء کو کچرا کوڑا کہنا نہایت غیر نفیس رویہ ہے اور منہ سے اگلے ہوئے نوالوں، ریخوں، خریج کو رکھنے کے لیے کسی دسترخوان پر کسی برتن کا اہتمام نہ ہونا بھی نا قابلِ یقین بات ہے۔ حتیٰ کہ جاپانی جیسے نفیس لوگوں کا دسترخوان بھی ایسے برتن کے تصور اور وجود سے خالی ہے۔

ازبک زبان میں دسترخوان پر فاضل اشیاء کے لیے رکھے جانے والے ڈونگے نما یا مرتبان نما برتن کو چئی قندِ یا آب کش کہا جاتا ہے اور جو فاضل اور گراں بار اشیاء منہ سے نکالی جاتی ہیں اس کے لیے لفظ ''چئی لنگن'' استعمال ہوتا ہے جب کہ کچرے کے لیے الگ لفظ ''اخلت'' اور بچے کھچے ہوئے کھانے کو ''قاگن اوقات'' کہا جاتا ہے۔ فرانسیسی زبان میں ایسے برتن کو l'assiette a restes کہتے ہیں جس کا ترجمہ فاضل اشیاء کا برتن کیا جاسکتا ہے اور منہ سے نکالی جانے والی فاضل اشیاء کے لیے les restesede nouritures مستعمل اور لغت کا حصہ ہے۔ اور کچرے کے لیے علیحدہ لفظ poublelle اور دیگر الفاظ مستعمل ہیں۔

میر باقر علی اور ثقل دان:

اس تحقیق کے بعد ہم نے اردو کی قدیم داستانوں اور داستان گویوں کے تذکروں کا مطالعہ کیا تاکہ اس برتن کو قدیم اردو میں تلاش کیا جاسکے۔ ہماری خوش قسمتی کہ دلی کے آخری داستان گو میر باقر علی پر لکھے گئے ایک خاکے سے یہ لفظ دریافت ہوا۔ قدیم دہلی کے ہر دسترخوان پر ''ثقل دان'' رکھا جاتا تھا۔ یہ مثل مرتبان کے ہوتا تھا اور اس کے اوپر ڈھکن بھی ہوتا تھا تاکہ منہ سے نکالی ہوئی ناگوار اشیاء اور ادھ چبے نوالے اسی ثقل دان میں تہہ نشین ہو جائیں اور کھانے والوں کی نگاہوں سے اوجھل رہیں تاکہ ان کی طبیعت بوجھل

Quran

گراں بار اور منغض نہ ہو۔ یہ لفظ قدیم لغات میں موجود ہے اور بعض لغات میں اسے ثفل دان بھی لکھا گیا ہے۔ لہٰذا ثقل دان اور ثفل دان دونوں لفظ لغات میں موجود ہیں لیکن اردو زبان کے محققین کی نظروں سے، ہمارے حافظے، دسترخوان، تہذیب اور تمدن سے خارج ہو گئے ہیں یا کر دیے گئے ہیں۔ ایک لفظ جو ۱۸۵۷ء سے پہلے عام تھا انگریزی استعمار کے غلبے کے باعث مٹ گیا۔ دسترخواں روزانہ بچھایا جاتا ہے لیکن ثقل دان یا ثفل دان کی ضرورت کسی نے محسوس نہیں کی۔ اتنے اہم برتن کی کمی توجہ سے کیوں محروم رہ گئی؟ یہ نہایت اہم سوال ہے، مغربی تہذیب اور مغربی طرز زندگی نے ہمیں اس قدر مصروف اور غافل کر دیا ہے کہ جیتے جاگتے لفظ جن کی ہمہ وقت ضرورت ہے اردو کے محققین کی نظروں سے بھی اوجھل ہو گئے۔

لفظ ''ثقل دان'' کی بازیافت کے بعد ہم نے محترم ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب، ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب اور دہلی کی آبرو جناب تابش دہلوی صاحب سے اس لفظ کی تائید، توثیق اور تصدیق کے لیے رجوع کیا۔ محترم جمیل جالبی صاحب اور تابش دہلوی صاحب نے اس لفظ کی تصدیق نہیں فرمائی اور اسے غیر مستند قرار دیا جب کہ ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب کی رائے تھی کہ یہ لفظ مناسب اور حسب حال ہے۔ ثقل دان کا لفظ آنکھوں اور کانوں کو بھلا لگتا ہے کہ ہر وہ چیز جو کھانے کے دوران طبیعت پر گراں گزرے اسے ثقل دان کے سپرد کر دیا جائے گراں باری اس کے حصے میں آئے اور سبک ساری ہمارے حصے میں۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ دسترخوان کا لازمہ یہ برتن اردو میں کیسے متروک ہو گیا۔ ہندوستان کی تہذیب جو نفاست میں بے مثال ہے اس نفیس برتن سے کیسے محروم ہو گئی اور آج تک اس برتن کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ طشتری، غوری، رکابی سے کام چل جاتا ہے لیکن ادھ چیے نوالے کھلی طشتری میں کیسے لگتے ہوں گے؟ یہ تصور کر کے کلیجہ منہ کو آتا ہے اور بے ساختہ ایسے دسترخوان سے اٹھنے بلکہ اسے اٹھا دینے کا دل چاہتا ہے۔

Quran

ہند میں مسلمانوں کے عروج وزوال کی کہانی

مقامیت سے گریز کی روایت: اردو ہندی تنازعہ

متروکات کے مباحث کا ایک افسوسناک باب اردو ہندی تنازعہ بھی ہے جسے ہمارے بعض محققین نے حاتم و ناسخ کی تحریکات متروکات سے جوڑنے کی کوشش کی ہے۔ بہ ظاہر یہ بات درست نظر آتی ہے لیکن تاریخ اور تحقیق اس مفروضے کی نفی کرتے ہیں اردو ہندی تنازع پر عزیز احمد اور ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اپنی کتابوں ''برصغیر میں مسلم کلچر'' اور ہسٹری آف پاکستان مومنٹ اینڈ لینگویج کنٹروسی'' میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ایک کتاب اس مسئلے کی بنیاد یں مسلمانوں کی ''مقامیت سے گریز کی حکمت عملی اور آٹھویں صدی میں ہندی ادبی روایت کی تحریک میں تلاش کرتی ہے۔ دوسری کتاب اس مسئلے کی بنیاد انگریزوں کی آمد اور فورٹ ولیم کالج کے ذریعہ ہندوؤں کے لسانی تعصب اور انگریزوں کی سیاست میں ڈھونڈتی ہے۔ دونوں کتابیں اس موضوع پر نہایت اہمیت کی حامل ہیں لیکن ان دونوں کے درمیان ایک کڑی کی ضرورت ہے۔اس کڑی کو تلاش کرنے کے لیے نہ صرف اصلاحات اور متروکات کی تحریکوں کا از سرنو جائزہ لینے کی ضرورت ہے بلکہ اس بات کا جائزہ لینے کی بھی ضرورت ہے کہ جب آٹھویں صدی سے دیوناگری رسم الخط میں راجستھانی برج بھاشا، ماتھیلی اور اودھی ادب برابر لکھا جا رہا تھا اور اس سارے ادب میں ایک واضح ہندی سمت بھی ملتی تھی تو سرکاری سطح پر اس واضح سمت کو فطری طریقوں سے تبدیل کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی گئی اور اگر یہ ممکن نہیں تھا تو اس زبان اور رسم الخط کی سرپرستی کیوں نہیں کی گئی اور اکثریت کی زبان کو کیوں نظر انداز کیا گیا؟

مسلمانوں کے زوال کا سبب:

مشرقی پاکستان اور سندھ میں اردو، بنگلہ اور سندھی زبانوں کے تنازعات کا پس منظر اگر ذہن میں رہے تو بہت سی گتھیاں سلجھائی جاسکتی ہیں اور مستقبل میں ماضی کی غلطیوں سے نئے چراغ روشن کیے جاسکتے

Quran

ہیں۔المیہ یہ ہے کہ دنیا بھر میں مسلمانوں کے عروج وزوال کے پیمانوں کو خالص مادی نقطہ نظر سے جانچا جارہا ہے جس کا نتیجہ پے در پے شکست ہے۔مسلمانوں کا زوال اس دن شروع ہوگیا تھا جس دن انھوں نے دلوں کو تسخیر کرنے کے لیے دعوت وتبلیغ کے اصل فریضہ سے ہاتھ اٹھالیا اور تسخیر کائنات کشور کشائی اور جہاں آرائی کو اصل فریضہ حیات سمجھ لیا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے زوال کا اصل سبب دعوت وتبلیغ کے کام سے عدم دلچسپی کا رویہ تھا۔قرآن اور سنت سے عروج کا جو مفہوم ملتا ہے وہ سورۃ نصر میں واضح کر دیا گیا ہے ''فی دین اللہ افواجاً'' اسلام اور امت مسلمہ روئے زمین پر قبضہ کرنے،سروں کے مینار کھڑے کرنے، کشتوں کے پشتے لگانے اور کائنات کو تسخیر کرنے کے لیے مامور نہیں کی گئی،اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کو تسخیر کائنات کے لیے نہیں عبادت رب کے لیے پیدا کیا ہے۔اس امت کا اصل کام دعوت وتبلیغ ہے۔ یہ دعوت ہی اس امت کی مخفی اور حرکی توانائی کی روح ہے۔اس دعوت کی راہ میں درپیش ہر رکاوٹ کے خلاف حالات وزمانہ کی رعایت اور قرآن وسنت میں طے شدہ اصولوں کے مطابق اجتہاد، جہاد اور قتال کی مکمل اجازت ہے۔ یہ امت بنیادی طور پر امت وسط ہے اس کا اصل کام دعوت ہے، اقتدار،حکومت، طاقت، شان وشوکت اگر دعوت کی راہ میں رکاوٹ بن جائے اور لوگ دین کے دائرے میں داخل نہ ہوں تو فتوحات کا کیا فائدہ؟ دعوت کا یہ عمل اس بے پناہ محبت اور شفقت کے بطن سے پھوٹتا ہے جس میں داعی مدعو کی خیر خواہی کے لیے ہمہ وقت بے قرار رہتا ہے۔اس کی واحد آرزو یہی ہوتی ہے کہ اس کے عزیز، اقارب اطراف و جوانب کے سب لوگ جنت میں داخل ہو جائیں یہ آرزو اس کے اندر ایک ایسی تڑپ گذار کشش تب وتاب، سوز وساز اور بے قراری پیدا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو رسول رحمتؐ سے کہنا پڑتا ہے کہ ''آپ داروغہ نہیں ہیں کیا آپ اپنی جان کو ان کے غم میں گھلا دیں گے''۔محبت کا یہ جھرنا جس قلب سے پھوٹتا ہے وہ قلب دنیا کے پورے قالب کو بدل ڈالتا ہے وہ خلق کے لیے ریشم کی طرح نرم اور رزم حق و باطل میں فولاد کی طرح سخت ہو جاتا ہے۔

عروج وزوال کا اسلامی تصور:

دلوں کو فتح کرنا ہی عروج ہے اگر ساری کائنات تسخیر ہو جائے اور فتح بھی ہو جائے لیکن کسی ایک فرد کا دل نہ بدلے اور وہ دائرہ اسلام میں داخل نہ ہو تو یہ عروج نہیں زوال ہے۔ یہ عروج طاقت سے نہیں محبت کی کیفیت سے عطا ہوتا ہے۔خلق سے محبت ایسی محبت جو مدعو کو فتح کرلے یہ فتح دائمی ہوتی ہے۔جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ بھی ہے اور فاتح آخرت بھی۔المیہ یہ ہے کہ عباسی عہد کے آغاز سے اس امت نے دعوت کا کام ترک کر دیا۔قوت وشوکت کے مظاہرے دین کی اصل روح پر غالب آ گئے اور امت قومیت

میں تبدیل ہوگئی اس قومیت کے مظاہر ہندوستان کی مختلف تحریکوں میں اور جمال الدین افغانی کی تحریک میں خاص طور پر نظر آتے ہیں۔امت پہلے مسلم قومیت بنی پھر قومیت کے شجر خبیث سے ترکی، عربی، ہندی، ایرانی کردی۔قومیتیں وجود پذیر ہوئیں پھر سلسلہ یہیں ختم نہیں ہوا اس کے بعد پنجابی، پشتو، بلوچ قومیتیں برآمد ہوئیں،قومیت شاخ در شاخ پھوٹتی چلی جاتی ہیں اور امت تحلیل ہو جاتی ہے۔امت سے قومیت کا سفر دراصل زوال اور انحطاط کا سفر ہے۔جب دریا قطرہ اور صحراء ذرہ بن جائے تو عروج قصہ پارینہ بن جاتا ہے۔قوم پرستی کی تحریک ایک خاص قوم اور خاص زماں و مکاں کے لیے ہوتی ہے لہٰذا یہ تحریکیں عموماً خاص علاقائی، لسانیاتی، نسلی، وطنی اور مقامی گروہ کے مخصوص محدود مفادات کا تحفظ کرتی ہیں اور امت کے بجائے قوم کی ترجمانی کرتی ہیں۔عباسی عہد سے لے کر آج تک پوری دنیا کی اسلامی تاریخ میں کوئی ایسی تحریک نہیں ملتی جس نے غیر مسلموں میں دعوت دین اور تبلیغ کو اپنی تحریک کا اصل ہدف قرار دیا ہو،اس وقت دنیا بھر میں کام کرنے والی تمام تحریکیں یا تو مسلمانوں کو مسلمان رکھنے کی تحریکیں ہیں یا محض اصلاح اور احیاء کی تحریکیں ہیں۔

دعوت اور احیاء کی تحریکوں کا فرق:

دعوت و اصلاح کی تحریکیں اور احیاء کی تحریکوں میں ایک بنیادی نوع کا فرق ہے۔دونوں تحریکوں کی اہمیت اپنی جگہ لیکن دونوں کا طریقہ کار مختلف ہے۔احیاء کی تحریکیں نعرہ مستانہ، ہمت مردانہ اور جرأت رندانہ پر یقین رکھتی ہیں۔وہ آندھی اور طوفان کی طرح آتی اور چھاتی چلی جاتی ہیں۔ان کے مثبت اثرات بھی ہوتے ہیں،منفی اثرات بھی،اس کے برعکس دعوت وتبلیغ کی تحریکوں کا کام،کام کا اسلوب اور معاشرے میں اثر پذیری کا طریقہ احیائی واصلاحی تحریکوں سے الگ ہوتا ہے،وہ شبنم اور دیمک کی طرح کام کرتی ہیں۔شبنم کی آواز کبھی کسی نے سنی ہے؟لیکن صبح طلوع فجر کے وقت ہر پھول،شاخ،پتہ،گھاس کی پتی زمین کا ذرہ ذرہ شبنم سے تر بتر ہوتا ہے۔صبح سویرے شبنم روئے زمین کا منہ دھلاتی ہے اور اس زمین پر موجود ہر شے کو اپنے وجود سے تر و تازہ کر دیتی ہے۔دیمک اپنا کام رفتہ رفتہ دکھاتی رہتی ہے،جب کام مکمل ہو جاتا ہے تو وہ نمودار ہوتی ہے۔اس کے طلوع کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس نے کام اب شروع کیا ہے،جب وہ عمارت کی بنیادیں کھوکھلی کر دیتی ہے تو نمودار ہوتی ہے اور اپنے توانا وجود کا اعلان کرتی ہے۔دعوت کی تحریکیں نیچے سے اوپر کی طرف جاتی ہیں جبکہ احیائی تحریکیں اوپر سے نیچے کی طرف سفر کرتی ہیں،ایک سفر فرش سے شروع ہوتا ہے دوسرا سفر عرش سے دعوتی تحریکیں فرد کو بدلتی ہیں پھر معاشرے کو بدلتی ہیں،دوسری تحریکیں حکومت کو بدلنا چاہتی ہیں دونوں میں تطابق کی ضرورت ہے۔دعوت دین کا کام نہایت صبر وتحمل،عرق ریزی،قربانی اور صلہ وستائش کی تمنا سے بے پروا ہو کر محض آخرت کی کامیابی کے لیے ہوتا ہے۔یہ دنیا اور

Quran

اس دنیا کے علائق سے داعی بے پرواہ ہوتا ہے۔ وہ حاضر و موجود سے بے زار ہوتا ہے۔

اسے تمکن فی الارض نعروں اور اقتدار کے لیے غیر اخلاقی رسہ کشی کے نتیجے میں نہیں انعام کے طور پر عطا کیا جاتا ہے جس کا وعدہ اللہ نے ان بندوں سے کیا ہے جو ''صالح ہیں'' دعوت کی تحریکیں دین کا بنیادی کام کرتی ہیں، وہ قربانی لینے کے بجائے قربانی دینے کو اہم سمجھتی ہیں، وہ انبیاء کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ''لوگوں سے اجر کی طلب گار نہیں ہوتیں'' دعوت اور اجرت کی طلب قرآن کی نظر میں دو متضاد نقطہ نظر ہیں۔ داعی حریص اور منصب کا طالب نہیں ہوتا وہ کسی کا حریف نہیں ہوتا وہ ہر ایک کا خیر خواہ ہوتا ہے، اس کی مثال سورج اور چاند کی طرح ہوتی ہے جو بلاتفریق اپنی روشنی سے کافر و مومن کو یکساں طور پر مستفید کرتے ہیں۔ اس لیے داعی دلوں کو فتح کرتا ہے اس کا اقتدار دائمی ہوتا ہے۔ اسے عارضی اقتدار بھی عطا ہوتا ہے۔ سیاست دان اقتدار کو فتح کرتا ہے یہ عارضی ہوتا ہے۔ اس کے لیے وہ بھرپور کوشش کرتا ہے۔ عالم اسلام کی تحریکیں تبلیغ دین کی تحریکیں نہیں ہیں ان کے مخاطب مسلمان ہیں، غیر مسلم اور کفار نہیں۔ ان معنوں میں ہندوستان میں مسلمانوں کا زوال یہی تھا کہ اقتدار ملنے کے بعد وہ فریضہ دعوت سے غافل ہوگئے اور عروج کے اس تصور کو بھول گئے جو سورہ نصر میں بیان ہوا ہے کہ ''لوگ جوق در جوق دین میں داخل ہو رہے ہیں۔ عروج یہی ہے کہ دنیا کے تمام لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو کر جنت کے حقدار ہو جائیں۔ اگر یہ عروج حاصل نہ ہوا تو زوال مقدر ہے لہٰذا طاقت ور ہونے کے باوجود بہت سی مسلمان ریاستیں اصلاً زوال پذیر ریاستیں ہیں عروج سائنس کی ترقی اور بلند معیار زندگی سے نہیں ملتا، عروج کا اسلامی تصور یہ ہے کہ کتنے لوگ آخرت میں کامیابی کے حقدار ٹھہرے اور اس کا مادی مظہر یہ ہے کہ کتنے لوگوں نے دل و جان کے ساتھ دین کی دعوت کو قبول کیا۔ افسوس کہ عصر حاضر کے بیشتر مسلم مفکرین کے یہاں عروج کا تصور محض مسلمانوں کا اقتدار سائنسی اور معاشی ترقی رہ گیا ہے۔ مادیت کے تصور میں آخرت بھرتی کے طور پر شامل ہے۔

یہ سوال نہایت اہم ہے کہ ہندوستان میں ریاستی سطح پر تبلیغ و دعوت کا کام کیوں نہیں ہو سکا یا کیوں نہیں کیا گیا اور مسلمانوں نے مقامی زبانوں کی تحصیل اور اس میں کمال حاصل کرنے پر کیوں توجہ نہیں دی۔ اگر صوفیاء بزرگ، درویش نہ ہوتے تو ہند میں مسلمانوں کی تعداد برائے نام ہوتی، صوفیا بزرگ اور درویش معاشرے کی نبض پر ہاتھ رکھتے تھے وہ ہندوستان کی تمام اہم زبانوں سے واقف تھے جس خطے کو تبلیغ کے لیے چنتے اس کی زبان رسوم و رواج اور عادات و اطوار سے گہری واقفیت پیدا کرتے اسی لیے اکثر صوفیا و درویش ماہر لسانیات بھی ہوتے تھے۔ ہندوستان کے مسلمان علماء بھی چار پانچ زبانیں عام طور پر جانتے تھے۔ مسیحی بھائیوں میں زبانیں سیکھنے کا زبردست رجحان تھا اس کی بنیادی وجہ صلیبی دعوت و تبلیغ کی

روح ہے جس کے زیر اثر مسیحی راہبوں نے دنیا کے کونے کونے کو چھان مارا اور زبانوں پر عبور حاصل کیا۔ سترہویں اور اٹھارہویں صدی میں لسانیات میں جو عظیم الشان ترقی ہوئی ہے اس کا سہرا ان عیسائی مبلغین کے سر باندھا جائے گا جنھوں نے تبلیغ کے لیے اجنبی زبانوں کو سیکھا ان پر عبور حاصل کیا اور لسانیات ادبیات کے ساتھ ساتھ عیسائی مذہبیات کی زبردست خدمت کی۔ افسوس یہ ہے کہ مسلمان اس معاملے میں ان سے بہت پیچھے رہے۔ یہ بات درست ہے کہ عیسائی مشنریوں کو حکومت برطانیہ کی مکمل پشت پناہی حاصل تھی اور برعظیم پاک و ہند میں کمپنی کی حکومت نے انھیں مراعات دیں اور بعض تاریخی شہادتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان میں عیسائیت کا فروغ کمپنی کی حکومت کے اہداف میں ایک اہم ہدف تھا۔لیکن سوال یہ ہے کہ برعظیم پر کئی صدیوں تک مسلم حکومت کے باوجود ہندوستان کی بیشتر زبانوں سے عموماً مسلمان دانستہ طور پر ناواقف کیوں رہے؟ اس بے تعلقی کی بنیاد کیا تھی؟ غالباً زبانوں سے عدم واقفیت دعوت وتبلیغ کی راہ میں اہم رکاوٹ بن گئی۔

ہندوستان ایرانی تجربے سے کیوں محروم رہا:

ہندوستان کے برعکس اسلام عرب وعجم میں پھیلا تو دونوں خطے مکمل طور پر دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے یہی اصل غلبہ تھا، یہی عروج تھا اور غیر مسلموں کی تعداد برائے نام رہ گئی۔ ایران میں اسلام آیا تو ایرانی قوم کی اکثریت دائرہ اسلام میں داخل ہوگئی اور ایرانی تہذیب اور زبان اسلامی رنگ میں ڈھل گئے۔ عربوں نے ایرانی تہذیب وثقافت کے عناصر سے کوئی تعرض نہ کیا، محبت کی اس روایت کے باعث ایرانی زبان عربی زبان کے سانچے میں ڈھل گئی۔ ایرانی قوم پرستی کے دور میں فارسی سے عربی کو نکالنے کی زبردست تحریک اٹھی یہی صورت ترکی میں پیش آئی۔ ترکی قوم پرستی کے بعد عربی اذان پر بھی پابندی لگا دی گئی، ایران وترکی کے تجربات کی تفصیلات جریدہ شمارہ ۲۵ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ ایسا کوئی مستند تاریخی حوالہ نہیں جس سے یہ ثابت ہوسکے کہ عربوں نے ایران پر غلبہ پاکر یہاں کے لوگوں کو عربی الفاظ یا تراکیب کو فارسی میں داخل کرنے پر مجبور کیا ہو۔ ایسی کوئی تاریخی شہادت دستیاب نہیں کہ عربوں نے جبر کے ذریعے اوستا، فارسی الفاظ کو متروک قرار دیا ہو۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اسلام کے تداول کے ساتھ ہی ایرانی تمدن اسلامی تمدن کے قالب میں ڈھل گیا۔ مسلمانوں نے کوشش کی کہ اسلام سے پہلے کے تمدنوں کو اپنی زبان رابطہ یعنی عربی میں منتقل کردیں اس طرح اسلام کے عظیم تمدن کی حامل سب زبانیں عربی سے اثر پذیر ہوئیں۔ اس کے باوجود جن لوگوں نے فارسی میں عربی الفاظ استعمال نہیں کیے اور اپنی زبان کے ذریعے ہی قوم کو خطاب کیا اس پر کوئی معترض نہیں ہوا۔ مثلاً ابن سینا، البیرونی، الجرجانی کی کسی نے نہ مذمت کی نہ تکفیر کہ وہ علمی کتابوں میں

Quran

فارسی ہی کیوں لکھتے ہیں اور عربی کلمات کیوں نہیں لاتے۔

ایران، افریقہ، ہسپانیہ، پرتگال کے تجربات:

سوال یہ ہے کہ ایران کا تجربہ ہندوستان میں کیوں نہیں دہرایا جاسکا اور کیا وجہ ہے کہ ہندوستان میں اسلام کا نفاذ تو ہوا لیکن نفوذ نہ ہوسکا اور ہندی تہذیب اسلامی تہذیب کے قالب میں نہیں ڈھل سکی اور ہند کی اکثریت نے ایران کی طرح قبول اسلام کے لیے پیش قدمی نہیں کی؟ اس کا جواب خارج میں ڈھونڈنے کے بجائے داخل میں ڈھونڈنے کی ضرورت ہے۔ ہندوؤں کی تاریخ انگریزوں کی سازش اور ہندو احیاء کی تحریکوں میں تلاش کرنے کے بجائے اپنے اعمال اور عُمال کے نامۂ اعمال میں ڈھونڈنے کی ضرورت ہے اور اس قرآنی آیت میں کہ ''اے اللہ ہمیں کافروں کے لیے فتنہ نہ بنا۔ الممتحنہ آیت ۵

ایران کے تجربے سے سے قطع نظر مسلمانوں اور عربی اثرات کے نتیجہ میں جنوبی افریقہ کے ایک حصے میں افریقانہ اور دوسرے حصے میں کریول Creole زبانیں وجود پذیر ہوئیں۔ ہسپانیہ میں مسلمانوں کے غلبے کے بعد ہسپانوی زبان کے پہلو بہ پہلو ''الخمیادو'' زبان وجود میں آئی۔ عربی خط والی پرتگالی بھی نمودار ہوئی۔ اسلام عالم عرب، فارس، افریقہ، ہسپانیہ اور پرتگال میں نئی زبانوں کے وجود کا باعث بنا لیکن کیا وجہ ہے کہ وہ ہند میں سنسکرت، ہندی زبانوں اور دیوناگری رسم الخط پر اثر انداز نہ ہوسکا۔

علامہ اقبالؒ نے فتح ایران کے حوالے سے لکھا ہے:

تاریخ اسلام کا اہم ترین واقعہ فتح ایران ہے، جنگ نہاوند نے عربوں کو ایک حسین ملک کے علاوہ ایک قدیم تہذیب بھی عطا کی۔ اس فتح کے نتیجے میں عرب ایک ایسی قوم سے روشناس ہوئے جو سامی اور آریائی عناصر کے امتزاج سے کئی ایک تہذیبوں کو جنم دے سکے۔ فتح ایران سے ہمیں وہی کچھ حاصل ہوگیا جو فتح یونان سے رومیوں کو ملا تھا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ فتح ہندوستان سے اسلام عربوں اور ترکوں کو وہ کچھ کیوں حاصل نہ ہوسکا جو فتح ایران سے حاصل ہوا تھا۔ عربوں کی اسلامی تہذیب اپنی بے پناہ سادگی اور حسن صحرائی کی کشش کے ذریعے ایران کی عظیم الشان تہذیب پر چھا گئی۔ لیکن ہند اس رحمت سے محروم رہا۔ اسلامی تہذیب عجمی تہذیب کے قالب میں روح بن کر اس طرح سمائی کہ ایرانی تہذیب کا رنگ وروغن تبدیل ہوگیا اور اس کے تمام غیر اسلامی عناصر اس سے الگ ہوگئے۔ محققین نے لکھا ہے کہ اسلام ایک عالی شان مذہب کے ساتھ ساتھ ایک زبردست تہذیبی قوت بھی ہے جو ہر تہذیب وتمدن کے قالب میں روح بن کر سما جاتا ہے اور اپنی مخفی اور حرکی طاقت کے باعث عالیشان سے عالی شان تہذیب وتمدن کو اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے اور اپنی انفرادیت

بھی برقرار رکھتا ہے۔

للولال کی پریم ساگر:

اردو ہندی تنازعے کی بنیاد نہایت سادگی کے ساتھ فوٹ ولیم کالج کی جانب سے دیوناگری رسم الخط میں ''للولال جی'' کی ''پریم ساگر'' سے جوڑنا صورت حال کا صرف ایک رخ ہے اور یہ رخ بھی منفی ہے۔ ڈاکٹر خلیق انجم نے ''اردو ہندی تنازعہ بیسوی صدی میں اردو کے مسائل کے'' زیرعنوان اپنے تحقیقی مضمون میں صورت حال کا یہی رخ اسی تناظر میں نہایت شدت مگر جامعیت سے پیش کیا ہے۔ ان کے خیال میں:

ہندی اردو تنازعہ اس وقت شروع ہوا جب فورٹ ولیم کے جان گل کرسٹ نے للولال جی سے ''پریم ساگر'' لکھوا کر ہندوستانی بہ خط ناگری کے نام سے ایک علیحدہ زبان کی بنیاد رکھی۔ اس وقت غالب کی عمر صرف پانچ چھ سال تھی۔ ہمارا خیال ہے کہ دیوناگری اور ہندی میں کتابیں تیار کرانے میں گل کرسٹ کی بدنیتی کو دخل نہیں تھا۔ ہاں، بعد میں برطانوی حکومت نے اپنی بدنیتی کی وجہ سے دیوناگری اور ہندی کی کتابوں کو ہندوؤں اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے استعمال کیا۔ گل کرسٹ کو کالج کی نصابی کتابیں تیار کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ انھوں نے ساٹھ نصابی کتابیں تیار کیں، جن میں سے انچاس اردو رسم الخط میں تھیں، دس دیوناگری رسم الخط اور ایک دونوں رسم الخط میں تھی۔ دیوناگری میں دس کتابوں میں سے چھ کتابیں ایسی تھیں جن کا رسم الخط تو دیوناگری تھا لیکن زبان اردو تھی۔ باقی چار کتابوں کا رسم الخط دیوناگری اور زبان مغربی ہندی کی بولی برج بھاشا تھی۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ برج بھاشا کی پہلی کتاب للولال جی کی ''پریم ساگر'' تھی۔ یہ ہندی کی پہلی کتاب تھی اور ہندی زبان کا آغاز اسی کتاب سے ہوتا ہے۔ دیوناگری میں کتابوں کے مترجموں کو یہ ہدایت دی گئی تھی کہ وہ سنسکرت کے زیادہ سے زیادہ الفاظ کا استعمال کریں۔ اس طرح پہلی بار ''پریم ساگر'' سے اردو اور ہندی دو الگ زبانوں کی حیثیت سے شناخت قائم ہوئی۔ برطانوی حکومت نے ہندوؤں اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے تاریخ اور زبان کا استعمال کیا۔ انگریز مورخین خاص طور سے ایلیٹ اور ڈاؤسن (Elliot-Dowson) نے عہد وسطیٰ کی تاریخ یہ ثابت کرنے کے لیے لکھی ہے کہ یہ عہد ہندوؤں پر مسلمانوں کے غیر معمولی ظلم وستم کی داستان ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے ہندوؤں کو ورغلایا کہ وہ برطانوی حکومت کو یادداشتیں اور درخواستیں دیں کہ جہاں جہاں انتظامیہ میں اردو کا استعمال ہوتا ہے وہاں دیوناگری رسم الخط میں ہندی کا استعمال ہونا چاہیے۔ مدن لال گوپال نے لکھا ہے کہ:

Quran

''ہندوؤں اور مسلمانوں میں مستقل طور پر کشیدگی پیدا کرنے کے لیے ۱۸۰۰ء میں پیدا ہونے والی ہندی کا استعمال کیا گیا۔ اس طرح ہندوستانی قومی تحریک کے مقابلے میں ہندی قومی تحریک کو فروغ حاصل ہوا''۔ مدن لال گوپال نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

''دنیا کے کسی بھی حصے میں کبھی ہندی نام سے بولی جانے والی کوئی زبان نہیں تھی''۔

ہندی کی پیدائش پر تبصرہ کرتے ہوئے F.E.K.Key نے لکھا ہے کہ:

''للولال جی اور ان کے ساتھی اور فورٹ ولیم کالج کے ذمہ داران کی وجہ سے ہندی وجود میں آئی۔ فورٹ ولیم کالج کے قیام سے پہلے ہندی زبان کا کوئی وجود نہیں تھا اور نہ ہی اس زبان میں کوئی تخلیقی کام ہوا تھا''۔

الیف۔ای۔کے۔کی نے یہ بھی لکھا ہے:

''ہندی بولنے والوں کے لیے ایک ادبی زبان کی تخلیق کی گئی، ایسا کرنے کے لیے برج بھاشا میں سے، جسے ہندی کہا جاتا تھا، اردو، عربی اور فارسی کے الفاظ نکال کر سنسکرت کے الفاظ استعمال کیے گئے''۔

آدھی صدی سے زیادہ عرصے تک ہندوستان کے لوگ اس نئی زبان کی طرف متوجہ نہیں ہوئے لیکن ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے بعد ہندوستانی سیاست کا منظر نامہ بدل گیا۔ انگریزوں کو ہندوستان پر مکمل سیاسی اقتدار حاصل ہو گیا اور اب ''پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو'' کی پالیسی پر عمل آوری کے امکانات زیادہ روشن ہو گئے۔ برطانوی افسروں نے ہندوؤں اور مسلمانوں، دونوں کو زبان کے نام پر ایک دوسرے کے خلاف بھڑکایا۔

جیوترینداس گپتا نے لکھا ہے کہ:

''انیسویں صدی میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جو رقابتیں ہوئیں، سیاسی سطح پر ان کا پہلا اظہار ہندی اور اردو کی رقابت کی صورت میں ہوا''۔

حالی نے اس سلسلے میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ برطانوی حکومت نے ہندوؤں کے ذرائع پر غور کرنے کے لیے ایک ایجوکیشن کمیشن قائم کیا تھا۔ ہندی کے بہی خواہوں نے اس کمیشن کو یادداشتیں پیش کیں، جن میں مطالبہ کیا گیا کہ جو مقام اردو کو حاصل ہے وہ ہندی کو دیا جانا چاہیے''۔

اس ضمن میں محققین نے یہ بات بھی لکھی ہے کہ بہار میں دیوناگری رسم الخط کے نفاذ کے بعد اردو ہندی تنازعہ مزید شدت اختیار کر گیا۔ مسلمانوں نے اس کی شدید مخالفت کی، لیکن اس تمام تنازعے میں

Quran

بنیادی سوال یہ ہے کہ ''ہندوؤں کا یہ مطالبہ کہ جو مقام اردو کو حاصل ہے وہ ہندی کو دیا جانا چاہیے'' اور مطالبہ بھی اس وقت جب ایک جانب ہندوستان پر مسلمان حکمران نہیں رہے تھے اور انگریزوں کی حکومت قائم تھی جو ہندوؤں کو اپنا رفیق بنا رہی تھی دوسری جانب جمہوریت کے مغربی تصورات کو عین اسلامی سمجھ کر قبول کیا جا رہا تھا تو لسانی مسئلے پر مسلم شدت پسندی کیا محض مسلم قوم پرستی کا فطری ردعمل تھا یا اس کے دوسرے اسباب تھے؟ ہندوؤں کے پیش نظر یہ تھا کہ رعایا ہم پہلے بھی تھے اور اب بھی رعایا ہوں گے۔ عزیز احمد کے الفاظ میں ۱۸۳۵ء میں فارسی کے بجائے انگریزی کو تعلیم و انتظامیہ کی زبان بنانے کا نقصان مسلمانوں کو زیادہ پہنچا، ہندوؤں کے لیے تو یہ صرف ایک غیر ملکی زبان سے دوسری غیر ملکی زبان میں تبدیلی تھی۔ ہندوؤں کا مطمع نظر محض یہ تھا کہ جس طرح پہلے سابق آقاؤں سے تعاون کیا گیا ہے تو نئے حکمرانوں سے تعاون کیوں نہ کیا جائے؟

عزیز احمد نے ان اہم سوالات میں سے چند سوالات کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ یہ جوابات اہم تاریخی ماخذات سے مزین ہیں۔ ہندی اردو تنازعہ کا سراغ تاریخ میں ڈھونڈتے ہوئے وہ بتاتے ہیں:

۱) ''سبک ہندی کو جیسا کہ برٹلز نے لکھا ہے، ایک اسلوب کا رنگ دینا بڑی حد تک ایک معاشرتی مظہر ہے۔ اس کی جڑیں ایک طرف ہندوستان میں مسلمان اشرافیہ کی علیحدگی پسندی اور دانشورانہ خود پسندی میں اور دوسری طرف اپنے گردوپیش کے طبعی ماحول سے ذہنی فرار کے باعث بال کی کھال نکالنے والی وہمیات کی بھول بھلیوں میں گرفتار رہنے میں پوشیدہ ہیں۔

۲) شعرائے دہلی نے ولی کو اپنا لسانی معیار تو بنایا لیکن اسے خود اپنے تخیل کے رنگ میں رنگ دیا۔ شعرائے دہلی نے جو خالص اردوئے معلیٰ پر فخر کرتے تھے اور جس نے فارسی طرز ادا اور صوری و معنوی خوبیوں کو اخذ و قبول کر لیا تھا، دکنی طرز ادا اور ہندوستانی زبانوں سے مستعارات کو رد کر دیا اور خاص طور پر ان مستعارات کو جو ہندو مذہب، ثقافت اور تصور کائنات سے تعلق رکھتی تھیں۔

۳) ہندوستانی اور ہندو عناصر کا یہ استرداد اجتماعی نفسیات کا غیر شعوری عمل تھا۔ اس عمل میں ثقافتی معاندانہ ماحول اور فضا میں اپنی ثقافتی بنیادوں، نشانات و اشارات اور اظہار کے محصور الفکر نمونوں کے تحفظ کا یہ فطری جذبہ کارفرما تھا۔ اس عمل میں تمثالی پیکر اور تخیل کاری کلیتاً فارسی نظیروں سے اخذ کی گئی یعنی فارس اور وسط ایشیا کے ان دیکھے مناظر و ہاں کی آوازیں اور خوشبوئیں۔ ان کے مقابلہ میں ہندوستانی مناظر، آوازیں اور حسیاتی و جذباتی تجربات کو شاعرانہ اظہار کی لطافت سے خالی تصور کر کے چھوڑ دیا گیا۔ اردو شاعری میں

Quran

نفسیاتی عمل، عثمانیہ ترکی شاعری میں فارسی روایات کے دخل کرنے کے عمل سے مشابہ تھا جو اناطولیہ کی معاشرت اور مناظر کو، تہذیب درباری شاعری کے لیے ناموزوں مواد سمجھتا تھا اور اسے صرف عوامی شعراء کی مشق کے لیے موزوں سمجھتا تھا۔ شاعرانہ ذہن کی یہ کیفیت جو مکمل طور پر غیر ہندوستانی علامات واستعارات کا سہارا لیتی ہے اس کی مثال اردو کے عظیم ترین شاعر غالب (۱۷۹۶ء.....۱۸۶۹ء) کے قطعہ ''چکنی ڈلی'' سے دی جاسکتی ہے۔ چکنی ڈلی خالص ہندوستانی چیز ہے۔ غالب نے اس کے لیے آٹھ استعارے استعمال کیے ہیں جن میں سے سات غیر ہندوستانی مسلم ثقافت سے تعلق رکھتے ہیں۔ صرف ایک استعارہ یا تمثال ہندوستانی ہے یعنی مسی آلود سرانگشت حسیناں لیکن ہندوستانی استعارہ ہونے کے باوجود اس کی زبان انتہائی فارسی آمیز ہے۔

۴) اردو شاعری نے ہندوستانی فضا سے الگ رہ کر کوئی کمی محسوس نہیں کی۔ اس نے اصول ریاضی کے عمل ضرب سے اپنے اندر وسعت در وسعت پیدا کی اور تمثالی پیکروں، علامات، کنایات، اشارات اور رموز وامثال کی ختم نہ ہونے والی دولت ذخیرہ کر لی، جو ذہن اور جذبات کے عمومی تقاضوں سے مناسبت رکھتی تھی۔ مسلم ہندوستان کے ثقافتی تجربات کے اشارات وکنایات ان مآخذ سے، جن کا آغاز ملک سے باہر ہوا تھا لاشعوری طور پر مجبوراً چمٹے رہے۔ ہندوانہ ثقافتی ومعاشرتی ماحول میں ڈوب جانے کا فطری خوف اس کے عجیب وغریب دیوتا، ہندوستانی مناظر سے کم وبیش بت پرستانہ محبت اس کی چونکا دینے والی حقیقت پسندی اور اس کی دلفریب مہک اور آہنگ سے یہ ایک واضح جبلی فرار تھا۔ اٹھارویں صدی کے دوران مسلم پریشان خاطری کو جو سیاسی یا اقتصادی قوت کی حامل نہیں رہی تھی اور بالعموم مستقل اور مسلسل فتنے فساد، عدم تحفظ اور نیست ونابود ہونے کے خوف سے دوچار تھی۔ اردو شاعری میں جذباتی گریز کا ایک جزیرہ ہاتھ آ گیا۔ ہندوستانی موضوعات کا رد بھی ایک طرح سے شخصی نظم وضبط کا اظہار تھا یعنی قدامت پرستانہ جذباتی اشاریت سے غیر مصالحانہ مطابقت تاکہ روحانی، جذباتی اور تخلیقی سطح پر اپنے امتیاز اور تفریق کو قائم رکھ سکے۔ اس کا مطلب یا اس کے اندر یہ مقصد ہرگز پوشیدہ نہیں تھا کہ ہندوانہ طریقہ ہائے اظہار یا ان کی موثر تردید کر کے کوئی جھگڑا مول لیا جائے۔ اردو کا مثبت رجحان اس امر کا آئینہ دار تھا اور اسی لیے اس کے اندر یہ نیم شعوری جذبہ کارفرما تھا کہ وہ بیرونی دنیائے اسلام سے اپنے فنکارانہ استحکام کو محفوظ رکھے اور اس سے منسلک رہے جس کا سررشتہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ اس کا منفی رخ یہ تھا کہ وہ ہندوؤں کی سرزمین ہندوستان سے بغیر کسی خاص جدوجہد کے لاتعلق رہے۔

۵) ''ہندی'' شاعرانہ زبان وطرز ادا سے پہلوتہی جسے دہلی اور لکھنؤ کے اردو شعراء نے ناقبول اور

Quran

ترک کرنا شروع کر دیا تھا، اسی طرح کا جبلی وفطری عمل تھا اور یہ عمل ہندوستانی ماحول سے موضوعاتی بے تعلقی کا لازمی نتیجہ تھا۔ میر سودا اور مظہر نے دوسخنے کو بالکل ترک کر دیا جو ہندی دوہے کا ورثہ تھا۔ جیسا کہ گب نے لکھا ہے کہ نہ صرف عرب ذہن بلکہ ہر جگہ ''مسلم ذہن فنکارانہ گفتگو سے فوراً متاثر ہوتا ہے۔ الفاظ منطق یا سوچ کی غربال میں چھننے کے عمل کے بغیر جوان کے اثرات کو کمزور یا سن کر سکتے ہیں، براہ راست دماغ میں نفوذ کر جاتے ہیں'' اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فارسی وترکی الاصل علامات وکنایات براہ راست تجربے سے صدیاں دور ہو کر بھی ہندوستان میں کیوں اور کس طرح ترقی کرتی اور نمو پاتی رہیں۔ اسی طرح عرب ذہن کی جزرسی نے ہر جگہ مسلمانوں کے شاعرانہ تجربہ کے وقوف وآگہی پر بڑا زبردست اور گہرا اثر چھوڑا ہے۔ اسی سے یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ تمام تر تخلیقی قوت کا ارتکاز صنف غزل موتیوں کی جانب ہی کیوں ہوا جس کا ہر شعر جدا جدا مضمون کا حامل ہوتا ہے اور پوری غزل موتیوں کی لڑی کی طرح ایک مشترک بحر و وزن کے روایتی رشتہ میں منسلک ہوتی ہے۔

۶) جمالیاتی قدر افزائی کے یہ رخ، جن کی جڑیں آفاقی اسلامی ثقافت کی روح میں اتنی گہرائی تک پیوست ہیں، ہندو ذہن کم وبیش ان کو سمجھنے سے قاصر رہا۔ اس کے ردعمل کو چٹرجی نے ان الفاظ میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ ''اردو ادب کی اپنے ابتدائی دور کے پورے دائرہ میں.....فضا اشتعال انگیز حد تک غیر ہندوستانی رہی ہے۔ ہندوستان کی ہر اس شے کی طرف سے قصداً آنکھیں بند کر لی گئی تھیں جسے فارسی شاعری میں برتا یا شامل نہیں کیا گیا تھا'' ہندوستانی ماحول کے اردو سے خارج کر دیے جانے کے باعث ہندوؤں کی اکثریت نے بھی اس کو رد کر دیا اور للولال کے ۱۸۰۳ء کے تجربہ کے بعد انھوں نے موجودہ ادبی ہندی اختیار کر لی جو (دراصل) اردو کی سنسکرتائی اور ہندیائی ہوئی شکل ہے۔ ہندی احیاء کی یہ تحریک دراصل مبالغہ آمیز جواب تھا، مسلمانوں کی بیرون جات سے شعور وجدان کے لیے مواد حاصل کرنے کی خواہش اور چیلنج کا۔ چٹرجی آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ''ایک ایسا ادب اور زبان جس کی بنیاد ایسے آدرش پر ہو جو ہندوستان ہی کی سرزمین پر ہندوستان اور ہندوستان کی ثقافت کی نفی پر مبنی ہو، ہندوستان کے سپوتوں کا اس کے مقابلے میں اٹھ کھڑا ہونا جو اپنی قومی ثقافت سے چمٹے ہوئے ہوں، لازمی اور لابدی تھا اور یہ چیلنج انتہائی سنسکرت آمیز ہندی کی صورت میں رونما ہوا۔

۷) فورٹ ولیم کالج سے پہلے نثری اردو ادب میں ہندوستانی ماحول سے احتراز اور علیحدگی کے اور زیادہ پیچیدہ نقشے اور نمونے نظر آتے ہیں۔ جب کہ مذہبی تحریرات میں وہ عربی نحو کی پیروی کرنے کی کوشش کرتی ہے اور نثری عشقیہ قصوں میں اس نے داستان کی خیالی عالم آرائیوں اور بالخصوص داستان امیر حمزہ کے

Quran

سلسلے میں خود کو گم کر دیا، جو ترکی سے لے کر جاوا تک پوری اسلامی دنیا میں جاری و ساری تھا۔ اردو میں داستان ایک باہمی ہلاکت آفرین، پیچیدہ اور لاانتہا حالات و واقعات کا ذخیرہ بن گئی جس میں امیر حمزہ (پیغمبر اسلام صلعم کے عم بزرگوار کا افسانوی مرقع) کی فوج، عیاروں کی مدد سے، کافر بدمعاشوں، مردوں اور عورتوں پر جو سحر و جادو سے کام لیتے تھے، سحر زدہ شہروں میں رہتے تھے یا انھیں ساحروں کی مدد حاصل ہوتی تھی، فتح حاصل کرتے تھے۔ داستانوں کے یہ جادوگر ہندوؤں سے نیم مماثلت رکھتے تھے۔ داستانوں کے ان پٹے ہوئے اور مستقل تصادمات میں ایک اسلوبی اور مبہم عکس ان مستقل ہنگاموں اور انتشار کا نظر آتا ہے جن میں مغلوں کے دور مصائب یعنی اٹھارہویں صدی اور انیسویں صدی کے اوائل میں ایک قوم دوسری قوم سے دست و گریبان نظر آتی تھی۔

۸) ہندوستانی فضاء و ماحول سے بے توجہی اور روگردانی کے مقابلے میں ہندوستانی عناصر کی قبولیت کی مثالیں بہت کم اور منتشر ہیں۔ بیانیہ نظم میں ہندوستانی مواد بہت ہی کم پیش کیا جاتا تھا۔ صرف ایک ''طوطی نامہ'' اس سے مستثنیٰ ہے جس نے دکنی میں بخشی کے تین مقلد پیدا کیے۔ شمالی ہند کا صرف ایک شاعر قابل ذکر ہے جو انیسویں صدی کے وسط میں گزرا ہے اور جس نے ہندوستانی فضا اور زندگی، رنگ، لطافت، گہرائی اور موزونیت و روانی کو دریافت کیا اور جس نے بغیر کسی جھجک اور ہچکچاہٹ کے اس کے متعلق لکھا اور دربار کے صیقل شدہ اور منجھے ہوئے معیار سے بے نیاز ہو کر تمام ذرائع سے ذخیرۂ الفاظ مستعار لیا۔ یہ شاعر نظیر اکبر آبادی (وفات ۱۸۳۰ء) تھا جسے اس کے اپنے عہد کی نسل نے قابل التفات نہیں سمجھا بلکہ بڑی حد تک اس سے ناواقف رہی۔ اس کی دین داری کی جڑیں مروجہ تصوف میں پنہاں تھیں اور مذاہب کی یک جہتی میں اس کا شغف اس حد تک تھا کہ وہ دوسرے مذاہب ہندو سکھ وغیرہ ہم کے تیوہاروں پر نظمیں لکھتا تھا۔ بیسویں صدی کے تیسری دہائی تک وہ واحد اردو شاعر تھا جس نے ہندوستان کے گروہ در گروہ لوگوں سے ربط و ضبط رکھا اور بلا امتیاز ملت و مذہب سب کے مذاق و پسند کے مطابق شاعری کی۔ ہندوستانی زندگی کی وجودیت میں ایسی گہری موضوعاتی دلچسپی صرف ایسی زبان میں بیان ہو سکتی تھی جو لوگوں کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ پر مبنی ہو اور لاتعداد روزمروں کے تنوع سے دھڑک رہی ہو اور دہلوی اور لکھنوی شعراء کی شاعرانہ زبان کی ان سخت بندشوں سے آزاد ہو جنھیں ان شعراء نے نسلاً بعد نسل اپنے اوپر مسلط کر رکھا تھا۔

۹) اردو شاعری نے ہندوستان کی طرف اس وقت رخ کیا جب کہ مسلمانوں کی قدامت پسند جمالیاتی اقدار ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے اثراتِ مابعد کے تحت پارہ پارہ ہو چکی تھیں اور مغربی تنقید نے اسے فارسی کے تتبع میں تصنع تنگ نظری اور بے دست و پائی کے تعلق سے ہدف ملامت بنایا۔ حالی و آزاد

Quran

دونوں قدرت کے موضوعات پر برابر لکھتے رہے لیکن ان کی مساعی میں شعوری کوشش کا احساس موجود ہے اور ان کا تخیل اور ذہن قریب قریب اپنے پیشروؤں جتنا ہی فارسی زدہ ہے۔

۱۰) اردو ادب سے تعلق اور اشتراک صرف ان ہندوؤں تک محدود رہا جو مذہبی یک جہتی کے قائل تھے مثلاً کھتری، کائیستھ اور کاشمیری برہمن اور کچھ گنگ وجمن کے دوآبے کے حاشیہ کی جماعتیں۔ اس اشتراک کو ماضی میں فارسی کے استعمال کی ایک کڑی سمجھنا چاہیے۔ یہ اشتراک مسلم ہندوستانی ثقافت سے ان کی ہم آہنگی کے باعث بھی تھا۔ ہندو دانشورانہ شعور کے بڑے دھارے نے اردو کو منتخب نہیں کیا بلکہ اپنے اظہار اور ابلاغ کے لیے اس نے یا تو ہندی بولی یا علاقائی بولیوں کو ترجیح دی یا پھر سنسکرت کو۔ انیسویں صدی کے وسط سے پہلے جو ہندو اردو میں لکھتے تھے انھوں نے نہ صرف یہ کہ اپنی ثقافت سے ذہنی طور پر علیحدگی اختیار کی بلکہ اس ثقافت کو قبول کرلیا جس کے مآخذ دوہرے طور پر بیرونی تھے۔ اس سے اردو کے ہندو شعراء کی تخلیقی قوت رک گئی اور وہ بس فنونِ لطیفہ کی سطح تک پہنچ کر رہ گئے اور فنون لطیفہ کے یہ شائق اردو شعراء کے مشہور تذکروں اور شاعری کے مجموعوں کے نامور مؤلف بن گئے، مثلاً لچھمی نرائن شفق یا لالہ سری رام۔''

عزیز احمد کے یہ دلائل اس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتے جب تک عرب قوم پرستی کی شعوبی تحریک کو نہ سمجھ لیا جائے اور اس تحریک کے باقی ماندہ مذہبی عناصر کی ہیئت ترکیبی کو جو عربی ثقافت کو اسلامی ثقافت کے طور پر دنیا کے ہر خطے خصوصاً پاک وہند میں آج بھی متعارف کرانے میں مشغول ہیں۔

رسول اکرمؐ کی سنت اور اسوہ حسنہ کی پیروی ہر مسلمان پر لازم ہے اس فرض سے انکار کی گنجائش ہی نہیں لیکن ہر تہذیب وتمدن کے صالح عناصر کو اپنے سانچے میں ڈھالنا اپنی تہذیب میں جذب کر کے اس کے غیر اسلامی عناصر کو پاک کرنا اور اس نئی تہذیب کو اسلامی تہذیب بنالینا اسلامی تاریخ دعوت تبلیغ تمدن وتہذیب کا اصل سبق ہے۔ ہندوستان میں اس سبق کو فراموش کر دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہند میں مسلمان فراموش شدہ تاریخ بن گئے۔ سبق سے انحراف دانستہ تھا یا نادانستہ بہرحال اس کے زبردست منفی اثرات مرتب ہوئے ''مقامیت'' سے گریز اور ہندی تہذیب کے صالح عناصر سے اغماض اور گردونواح سے لاتعلقی کی ان کیفیات کے زبردست منفی اثرات مرتب ہوئے غالباً اسی لیے ردعمل کے طور پر دکن میں ''اردو'' زبان کو ''مسلمانی'' زبان کہا جاتا تھا۔

عزیز احمد اس ردعمل کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اردو کے خلاف ادبی ہندی کا علیحدگی پسندانہ اور منکرانہ کردار تھا اور اس بات سے ہندوؤں کو

Quran

کچھ زیادہ اختلاف نہیں تھا۔ وہ خود اسے ''رسمی طور پر پاک اور صحیح'' نہیں سمجھتے تھے اور اسے ''جامنی'' یا ''یامنی'' یا ''یاونی'' کہتے تھے یعنی وہ زبان جو ''یاونوں'' یا غیر ہندو وحشیوں کے لیے موزوں تھی۔ ''ہندوؤں میں مسلمانوں کے لیے اس حد تک نفرت کی وجوہات جاننا ضروری ہے۔ ان وجوہات کے بغیر ہم ماضی کے واقعات، حادثات اور سانحات کا درست تجزیہ نہیں کر سکتے۔ رسول اکرمؐ نے مدینہ سے یہودیوں کو بے دخل کیا اور جزیرہ العرب میں ان کا داخلہ ممنوع قرار پایا اس کے باوجود یہودیوں نے اندلس اور ترکی میں اپنے آپ کو محفوظ سمجھا اور آج بھی ترکی میں یہودیوں کی بہت بڑی تعداد موجود ہے۔ لیکن اس دور کے یہودی ادب میں ایسی نفرت کا اظہار نہیں ملتا''۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ خالص اور سنسکرت سے بھرپور ہندی زبان (سنسکرت نستھا) میں جو پہلی کتاب تصنیف ہوئی وہ دیانند سرسوتی کی ''ستیارتھ پرکاش'' تھی جو متشدد ہندو احیاء پرست آریہ سماج کا بانی تھا۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے اس خیال کو شعور اور واقعیت کا جامہ پہنایا کہ ہندی کو پورے ہندوستان کی بین ہندو زبان ہونا چاہیے۔ سناتن دھرم، جو پنڈت شاردا رام کی قیادت میں ہندو مذہب کے احیاء کی زیادہ اعتدال پسند اور روایاتی تحریک تھی، اس نے بھی ہندی کو استعمال میں لانے کی صلاح دی تھی۔

۱۸۶۷ء سے اس بات پر زور کم ہونے لگا کہ ہندی کلیتاً شمالی ہند کے ہندوؤں کی زبان ہے بلکہ اس بات پر زور دے کر پروپیگنڈہ کیا جانے لگا کہ انتظامیہ کی نچلی سطح پر اسے دفاتر میں بجائے اردو کے استعمال کیا جائے۔

Quran

نفرت وحقارت نئی زبانوں کو جنم دیتی ہے

ہند، ایران اور ترکی میں فارسی، عربی، ترکی و کردی کے خلاف تحریکیں

ایران میں عربی زبان کو ریاستی سرپرستی حاصل ہے

کوئی لفظ کسی زبان میں کب داخل ہوتا ہے اور کب متروک ہو جاتا ہے ایک اہم تحقیقی مسئلہ ہے۔ الفاظ زندگی اور موت کے مرحلے سے گزرتے ہیں، کسی لفظ کا متروک ہونا کیا اس کی موت کے مترادف ہے؟ تاریخ کی شہادت بالکل مختلف ہے۔ ''متروک الفاظ دوبارہ زندہ ہو جاتے ہیں اور لفظ کی زندگی اور موت کا یہ کھیل ہر زندہ زبان میں جاری وساری رہتا ہے۔ جبھی تو ہم دیکھتے ہیں کہ کئی لفظ تیس چالیس سال متروک رہنے کے بعد اب پھر اردو زبان میں داخل ہو گئے ہیں جیسے لفظ ''سو'' تیس چالیس برس تک متروک رہنے کے بعد اب اردو میں داخل ہو گیا اور آج بھی مستعمل ہے۔

الفاظ متروک اور معدوم نہیں ہوتے، جس طرح توانائی کبھی ضائع نہیں ہوتی وہ اپنا رنگ، روپ اور شکل تبدیل کر لیتی ہے اسی طرح لفظ بہروپ بھر لیتے ہیں پھر حالات بدلتے ہی نقاب الٹ کر اپنا چہرہ دکھا دیتے ہیں۔

الفاظ ققنس کی طرح اپنی خاکستر سے دوبارہ جی اٹھتے ہیں ان کی زندگی بھی عجیب ہوتی ہے، موت عظیم الشان اور حیات نو نہایت عجیب تر۔

لفظ ''سے'' کی تاریخ:

بسا اوقات ایک لفظ کا بنیادی مادہ وہی رہتا ہے لیکن اس کا تلفظ، انداز قرأت اور رنگ روپ بدل جاتا ہے۔ اسے ماہرین لسانیات صوتی تغیر وتبدل کہتے ہیں لیکن اس تغیر کے نتیجے میں پہلا لفظ متروک ہو جاتا ہے پھر اس کے بطن سے دوسرا، تیسرا، چوتھا لفظ جنم لیتا ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ لفظ متروک ہو جاتا

Quran

ہے لیکن اس کا بنیادی مادہ متروک نہیں ہوتا لیکن اس عمل کو بھی متروکات کی ایک قسم کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔بعض اوقات لفظ کا بنیادی مادہ بھی بدل جاتا ہے اور اصل لفظ کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے مثلاً اردو زبان کا ایک لفظ جو پہلے ''تھیں'' یا ''تے'' تھا وہ بدل کر تھے، ستے، ستیں، سوں اور سیں ہوتا ہوا آخر کار ''سے'' بن گیا۔

لفظ ''سے'' کی موجودہ شکل اردو زبان میں تقریباً دو سو سال سے مستعمل ہے اس سے پہلے یہ لفظ ''سیں'' یا ''سوں'' کی شکل میں رائج تھا۔ولی سے پچاس برس قبل یہ لفظ عہد قطب شاہی کے اواخر میں ''ستے'' اور ''ستیں'' تھا۔اورنگ زیب عالمگیر کے معاصر غلام علی سے پچاس سال قبل اس لفظ میں س کی آواز موجود نہ تھی اور سے کی جگہ ''تھے'' مستعمل تھا۔وجہی کی شاعری میں ''سے'' کی جگہ لفظ ''تے'' ملتا ہے۔معراج العاشقین میں بھی یہ لفظ موجود ہے۔خوب محمد گجراتی کی ''خوب ترنگ'' میں ''سے'' کی جگہ حرف ''تھیں'' استعمال کیا گیا ہے۔

عربی زبان اور متروکات:

زبانوں کے حروف وصوت میں تغیر وتبدل اور متروکات سے متعلق ان اصولوں کے باوجود اس میں واحد استثناء عربی زبان ہے۔اس زبان پر، اوپر بیان کردہ اصولوں میں سے کسی اصول کا اطلاق نہیں ہوتا۔اس کی وجہ شاید یہی ہے کہ عربی کلام ربانی کے ذریعے محفوظ کر دی گئی ہے اور قرآن کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لے لیا ہے۔اِنَّـا لَـهٗ لَـحٰفِظُوْنَ. یہ زبان قرآن کریم کی ۶۶۶۶ آیات کے ذریعے چودہ سو برس سے حرف وصوت میں کسی تغیر وتبدل کے بغیر اپنی اصل حالت میں مغرب ومشرق اور شمال جنوب میں آج بھی ایک ہی اسلوب، لب و لہجے، صوتی اثرات کے ساتھ بولی، لکھی اور پڑھی جا رہی ہے۔اجنبی زبانیں بولنے والوں کے ساتھ عربوں اور عربی بولنے والوں کا سابقہ پڑنے اور اجنبیوں سے کثرت کے ساتھ رشتہ مناکحت قائم کرنے کے باوجود عربوں کی صوتیات، اس کے حروف اس کے مخارج تلفظ الفاظ صرف ونحو تبدیلی کے اثرات سے مکمل طور پر محفوظ ہیں۔عربی زبان آج بھی حروف وصوتیات لہجے اور تلفظ میں خالص ہے اس کی واحد وجہ قرآن کا حفاظ کے ذریعے محفوظ ہونا ہے اور مناجات وعبادات کے لیے عربی زبان کی لازمی شرط نے اس زبان کو تاریخی وتہذیبی طور پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا ہے۔تاتاری قوم نے جب خوارزم شاہی سلطنت پر حملہ کیا تو اس وقت وہاں ازبک قزاق اور ترکمان نسلوں کے ترک بستے تھے۔نیز عربی اور فارسی زبانوں اور اسلام نے ان ترک اقوام کو تاتاری ترک قوم سے مختلف کر دیا تھا اور پھر یہ تاتاری قوم مسلمان عورتوں کی زبان اور بیان اور معاشرت کے باعث مسلمان ہوگئی۔

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

تخلیق زبان اور متروکات:

لسانیات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ صرف چند لفظ ہی نہیں ہزاروں الفاظ یک بہ یک متروک ہو جاتے ہیں یا کر دیئے جاتے ہیں اور زبانوں کا تانا بانا بالکل بدل کر رہ جاتا ہے۔ گزشتہ سات سوں سو سال میں انگریزی زبان اتنی بدلی ہے کہ چاسر (Chaucer) کی شاعری اس کے آبائی شہر لندن کے انگریز سمجھنے سے قاصر ہیں، اب قدیم انگریزی کے صرف چند ماہر یہ شاعری سمجھ سکتے ہیں۔ انگلستان میں عیسائی فرنگیوں کے بچے بائبل میں مستعمل انگریزی سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یہی حال فرانسیسی، جرمن، روسی وغیرہ کا ہے۔ متروکات کے ذریعے نئی زبانیں اور الفاظ بھی وجود پذیر ہوتی ہیں۔

غصہ: زبانوں کی تخلیق کا محرک:

غصہ نفرت وحقارت بھی بہت سے الفاظ کو متروک کر کے نئے الفاظ کی تخلیق کا ذریعہ بنتے ہیں اور اس طرح نئی زبانیں وجود پذیر ہوتی ہیں، اس کی مثال جنوبی افریقہ پر ہالینڈ اور فرانس کے مقبوضات میں وجود پانے والی دو زبانیں ہیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے مطابق چند سال قبل جنوبی افریقہ کے شہر جوہانس برگ جانے کا موقع ملا تھا۔ وہاں میّاں نامی ایک بہت مخیّر اور علم دوست خاندان رہتا ہے۔ ان کے ہاں کے کتب خانے میں ایک کتاب دیکھی جو وہاں کے گوروں ہی میں سے ایک کی لکھی ہوئی ہے۔ مؤلف کہتا ہے کہ جب ہالینڈی لوگوں کا ملک پر تسلط ہوا تو نو آبادکاری کے لیے طرح طرح سے مزدور اور غلام وہاں لائے جاتے رہے اور ان سے نو آباد کاری کے کٹھن کام لیے جاتے رہے۔ ان مزدوروں اور غلاموں کو ہالینڈی زبان سیکھنی پڑی جسے وہ بگاڑ کر اور غلط سلط بولتے رہے اور ہالینڈی صرف ونحو کے قواعد کو آسان بنا کر گفتگو کرتے رہے! انگریز آئے، تو ان بدنصیب ''غلاموں''، یعنی بنگالیوں، مالا باریوں، ملایا و جاوا والوں، عرب، حبشی لوگوں کی تعداد چوں کہ گوروں سے بہت زیادہ ہوگئی تھی اس لیے فصیح ہالینڈی کی جگہ بگڑی ہوئی، غلاموں میں بولی جانے والی ہالینڈی اتنی مرّوج تھی کہ گورے بھی اسی کو بولنے پر مجبور تھے کہ اپنے مزدوروں سے بات کر سکیں پھر انگریزوں سے نفرت کے باعث ان ہالینڈی گوروں نے مقامی بگڑی ہوئی ہالینڈی میں لکھنا پڑھنا بھی روز افزوں شروع کیا۔ لیکن ان گوروں سے بہت قبل مقامی مسلمان اس کو لکھنے پڑھنے میں برتنے لگے تھے۔ اور اسے افریقانیہ کا نام دیتے تھے۔ اور زیرِ ذکر کتاب کا مؤلف لکھتا ہے کہ موجودہ افریکانس (افریقانیہ) زبان کے قدیم ترین دستیاب شدہ نمونے عربی خط میں مسلمانوں کے لکھے ہوئے ہیں اور یہ اسلامی کتابیں (اسلام کے متعلق) ہیں۔ غرض عربی اور حبشی زبانوں کا ہالینڈی زبان پر جو اثر پڑا، اس سے افریقانیہ زبان پیدا ہوئی اور وہ اب جمہوریۂ جنوبی افریقا کی سرکاری زبان ہے۔

اگر جنوبی افریقا کے ایک حصے پر ہالینڈ کا قبضہ ہوا، تو براعظم افریقہ کے ایک دوسرے حصے پر فرانس کا۔

فرق صرف یہ تھا کہ ایک جگہ غلاموں اور مزدوروں کو ہالینڈی بولنی ہوتی تھی تو دوسری جگہ فرانسیسی۔ نتیجہ دونوں جگہ ایک ہی ہوا یعنی ایک نئی زبان پیدا ہوئی۔ فرانسیسی علاقے کی زبان کو کریول Creole کہتے ہیں یہ زبان اس برعظیم کے جزائر میں بولی جاتی ہے اور اس میں بھی اب کافی لٹریچر پیدا ہو چکا ہے، اگرچہ افریقانیہ کے مقابلے میں، جس میں قرآن مجید کے کامل تراجم بھی ہو چکے ہیں، کم ہے۔

ان دونوں نئی زبانوں، (افریقانیہ اور کریول) کا اثر محدود رہا اور اصل ولندیزی (ہالینڈی) اور فرانسیسی زبانیں جو ہالینڈ اور فرانس میں بولی جاتی تھیں متاثر نہ ہوئیں۔ وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہالینڈ اور فرانس میں وہ لوگ مفقود تھے جو افریقانیہ اور کریول بولتے ہوں۔

اسپین کے متعلق شاید یہ یاد دلانا بے محل نہ ہوگا کہ وہاں کے لاکھوں نومسلم ہسپانوی زبان بولتے رہے جو عربی سے ظاہر ہے کہ بہت متاثر تھے اور عرب اس زبان کو ''الخمیادو'' سے موسوم کرتے تھے جو الاعجمیۃ کی خرابی تھی (اسپینی میں حرف ج کا تلفظ خ ہوتا ہے، جبرالٹر کو وہ آج بھی خبرالتر بولتے ہیں) اور یہ الخمیادو عربی خط میں لکھی جاتی تھی۔ عربوں نے ہسپانیہ کو فتح کرنے کے باوجود وہاں کی زبان ہسپانوی کو ختم کرنے کی کوشش نہیں کی اس زبان کے نمونے آج بھی محفوظ اور مامون ہیں۔ اس میں قرآن کے ترجمے بھی ہیں، طب اور دنیوی علوم کی کتابیں بھی۔ ان کے ہزاروں نہیں تو سینکڑوں قلمی نسخے آج بھی مجریط (میڈرڈ) اور ایسکوریال وغیرہ میں محفوظ و موجود ہیں۔ عربی خط والی پرتگالی کا بھی یہی حال ہے۔

انسانوں کی طرح لفظوں پر بھی جوانی اور بڑھاپا اور موت کا عمل ہوتا ہے۔ چناں چہ لفظ پیدا ہوتے ہیں جوان ہوتے ہیں، سٹھیاتے ہیں اور مر بھی جاتے ہیں۔ زبان میں رائج ہونا لفظ کی جوانی ہے کم استعمال اس کا بڑھاپا اور متروک ہو جانا اس کی موت ہے۔

متروکات کی اہمیت:

لفظ خواہ زندہ ہو یا مردہ یا متروک یا کم مستعمل یا اس کا استعمال شاذ و نادر ہو اپنی تاریخ میں اپنا شجرہ نسب پوشیدہ رکھتے ہیں۔ بہت سے زمانے، انقلابوں اور قوم کے سانحوں کی تواریخ کے امانت دار ہیں۔ بہت سے لفظ ایک قوم کی سیاسی، اخلاقی، معاشرتی ترقی یا زوال کی روداد لیے ہوتے ہیں، لغات کی ایک مکمل کتاب کو لفظوں کی سوانح عمری سمجھنا چاہیے کیوں کہ کوئی خبر کوئی سانحہ اور واقعہ ایسا نہیں ہوتا جو اس وقت ظہور میں آ چکا ہو اور اس کتاب میں درج نہ ہو، اگر ایک قوم کی تاریخ کے دفتر فنا ہو جائیں مگر اس کی زبان کا لغات موجود ہو تو اس کی مدد سے اس قوم کی تاریخ پھر مرتب ہو سکتی ہے۔

متروک الفاظ گمشدہ تاریخ، گمشدہ تہذیب و تمدن اور تاریخ کی گرد میں ملفوف واقعات و

حادثات اور سانحات کی سچی تصویر کھینچ دیتے ہیں، مثلاً، ناؤ پانی میں چلنے والی سواری کو کہتے ہیں۔ ہندوستانی قوم کو سمندری قوم نہیں مانا جاتا کیوں کہ وہ سمندر کے سفر سے اجتناب برتتے تھے، اس سفر کے نتیجے میں ان کا مذہب ختم ہو جاتا تھا لیکن لفظ ناؤ کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہندوستانی ناؤ ہند کے سمندروں سے چل کر مغرب میں پہنچی اور وہاں اس نے Navy، Navigator اور Nautical الفاظ پیدا کیے۔ ہومر جہاز کو Naus کہتا تھا۔ ناؤ جیسی ایک اور آبی سواری کو ہمارے یہاں بجرا کہتے ہیں۔ اس لفظ سے اٹلی کا Brig، لاطینی Barge بنا اور Bargain کی اصل بھی یہی لفظ بجرا مانا جاتا ہے۔ یہ الفاظ ثابت کرتے ہیں کہ اہل ہند جہاز رانی اور سمندر کے سفر سے بے گانہ نہیں تھے۔

بیچ Beach کا لفظ ہندوستان سے یورپ گیا، بیچ اس ریتیلے میدان کو کہتے ہیں جو ساحل اور سمندر کے پانی کے بیچ میں واقع ہو۔ جاپانی زبان میں ہندوستانی لفظ ''بندہ'' اس امر کی خبر دیتا ہے کہ جاپان کی ثقافت ہندوستان کی ثقافت سے کہاں تک متاثر ہوئی بہت سے لفظ ہمارے وطن کے لہجے کے خفیف تغیر کے ساتھ جاپانی میں موجود اور اپنائے ہوئے ملتے ہیں۔ جاپانی خط کے آخر میں اپنے نام کے پہلے لفظ ''بندہ'' لکھتا ہے جیسا کہ ہندوستان میں بڑوں کے نام خطوط کے بارے میں اب تک کم وبیش دستور ہے۔

متروک الفاظ کی تاریخ:

زبان اور اس کے لفظوں کی تاریخ بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے اور یہ تاریخ ہمارے لغت کا بڑا اہم باب ہے لیکن افسوس ابھی تک لغت نویسوں نے توجہ نہیں دی۔ قومیں اپنی تاریخوں میں کتنی ہی خیانت کر لیں اور واقعات کو کتنا ہی الٹ پلٹ ڈالیں مگر زبان اور اس کے الفاظ کا ذخیرہ ایک سچے دیانت دار کی طرح پچھلی روداد کا ریکارڈ یا مسل ہمارے لیے تیار رکھتا ہے۔ بہت سے متروک الفاظ بھی مستقل تاریخ رکھتے ہیں اور اپنی خاموش زبان سے ہم کو سنانے کے لیے بہت سے ایسے واقعات یاد رکھتے ہیں جن کو کاغذی تاریخ کے اوراق بھلا چکے ہیں۔

''اردو زبان کا دام، (معمولی سکہ جس کی ایک ادنیٰ صورت چھدام ہے)، یونانیوں کا درخم Drachma (دراخمہ) فارس کا درم اور انگلستان کا ڈرام، دام قیمت کے طور پر آج بھی مستعمل ہے'' لیکن معمولی سکے کے طور پر متروک ہونے کے باوجود بھلائی ہوئی تاریخ سے آگاہ کرتا ہے۔

للولال کی تحریک متروکات ہندوستان:

جدید ہندی اسلام سے وابستہ ''مفرس اردو'' سے علیحدگی اور ہندو تجدیدیت کی شعوری کوشش کا

Quran

نتیجہ تھی گریئرسن کے مطابق ''اس کی اصل عصر جدید سے تعلق رکھتی ہے جو انگریزوں کے زیر اثر متعارف ہوئی۔ اس وقت تک جب کوئی ہندو نثر لکھتا تھا اور اردو استعمال نہیں کرتا تھا تو وہ اپنی مقامی بولی اودھی بندیلی برج بھاشا وغیرہ میں لکھتا تھا۔

للولال نے ڈاکٹر گل کرائسٹ کی تحریک پر مشہور کتاب ''پریم ساگر'' لکھ کر اس صورت حال کو تبدیل کر دیا۔ اس نے دانستہ عام بول چال کے مطابق فارسی الفاظ لکھنے کے بجائے ہندی اور آریائی الفاظ استعمال کیے۔ اس پہلی کتاب نے تمام اچھے ہندوؤں کی توجہ اپنی جانب منعطف کرالی اور زبان کی ایک کمی کو پورا کر دیا۔ ''پریم ساگر'' سے ہندوؤں کو رابطے کی زبان مل گئی۔ للولال (۱۸۰۳) کے زمانے سے ہندی نے اردو سے متمیّز اور سنسکرت سے قریب ہونے کے لیے اسلوب کے کچھ قواعد منضبط کیے آگرہ اور بنارس جدید ہندی کے دو مراکز قرار پائے جن میں بنارس کا میلان سنسکرت کے الفاظ کے استعمال کی جانب زیادہ رہا۔

متروکات کی تحریکوں کا تناظر:

اس تاریخی تناظر میں متروکات کی تمام تحریکات کو خواہ ان کا تعلق اردو سے ہو یا ہندی سے ایک وسیع تناظر میں از سر نو جانچنے، پرکھنے اور اس کا تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے۔ محض عمومی بیانات جو اردو کی ادبی تاریخوں میں در آئے ہیں۔ اس بات کا تقاضہ کرتے ہیں کہ متروکات کی تحریکوں کا نہایت باریک بینی سے جائزہ لیا جائے۔ صرف ولی، حاتم اور ناسخ کی تحریکات متروکات سے یک طرفہ نتائج اخذ نہ کیے جائیں بلکہ ٹوڈرمل سے لے کر للولال تک ہندو شعراء و ادباء کے رویوں میں واضح ہندی سمت کا بھی تنقیدی تجزیہ کیا جائے۔

ایران میں متروکات کی تحریک کی تاریخ:

جب ہندوستان میں ہندی کو عربی فارسی الفاظ سے پاک کرنے اور سنسکرت سے آراستہ کرنے اور اردو زبان سے ہندی سنسکرت مقامی الفاظ کو نکال کر عربی و فارسی الفاظ داخل کرنے کی تحریکیں شباب پر تھی۔ ہندوستان کے پڑوس ایران میں فارسی، عربی، فرانسیسی، انگریزی، ترکی، منگولی، روسی زبانوں کے الفاظ کے غلبے سے جھکی جا رہی تھی۔ مغربی زبانوں کا فارسی زبان میں عمل داخل عہد قاچار سے مربوط ہے۔ (۱۷۹۶-۱۹۲۲) تہران میں ۱۲۹۰ھ میں غیر ملکی زبانوں کی تدریس کا مدرسہ قائم ہو چکا تھا جہاں عربی، انگریزی، فرانسیسی، روسی زبانوں کی تدریس ہو رہی تھی، مدرسہ ''مشیریہ'' اور ''دارلفنون'' نے فارسی زبان کو غیر ملکی زبانوں سے روشناس کرایا اور جدید علوم و اصطلاحات سے فارسی زبان کو مالا مال کیا تیرہ جلدوں میں ''نامہ دانشوراں'' اس موضوع پر دائرہ المعارف کا درجہ رکھتا ہے۔ ۱۸۶۴ء سے ۱۸۷۰ء تک تہران سے عربی فرانسیسی زبان میں روزنامے شائع ہونے لگے۔ فارسی زبان پر غیر ملکی زبانوں خصوصاً عربی کے وسیع اثرات

Quran

کے ردِعمل میں ''فارسیِٔ سرہ'' یعنی خالص فارسی لکھنے کی تحریک نے زور پکڑا۔اس تحریک نے پہلوی دور میں ۱۹۲۵ء تا ۱۹۷۸ء کے دوران دومرتبہ زبان کے ''فرہنگستان'' بنوائے اور اصلاح وارتقائے زبان کی کئی سرگرمیوں کوجنم دیا۔ یہ تحریک غیر ملکی اور غیر فارسی کلمات سے فارسی کو مبرا اور پاک کرنے کے لیے برپا کی گئی۔اس تحریک کی شدت وحدت ایران کے پڑوس ہند میں برپا متروکات کی تحریکوں کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی۔ ایرانی تحریک متروکات کے سامنے شیواجی ،للولال، ولی دکنی، حاتم، ناسخ اور نظیر کی تحریکیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔''فارسیِٔ سرہ'' یا اصیل فارسی کے حامی غیر ملکی لفظوں سے پاک زبان کو''زبان پاک'' کہتے تھے اس تحریک کے رہنما عربی زبان کے بھی دشمن تھے اور عربی الفاظ کے بجائے مقامی الفاظ کو رائج کرنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے۔ پہلی عالمگیر جنگ کے دوران یہ تحریک کمزور پڑ گئی۔اس تحریک کی شدت کا عالم یہ تھا کہ گلستان سعدی کے ایک شعر میں حمام کو''گرمابہ'' سے اور''محبوبے'' کو برجستہ سے بدل دیا گیا۔

گلے خوشبوئے در ''گرمابہ'' روزے،

رسید از دستِ ''برجستہ'' بدستم

سید تقی زادہ نے اپنے مقالے''لزوم حفظ فارسی'' میں لکھا ہے کہ اس تحریک سے منسلک اکثر لوگ ایران کی قدیم زبانوں کے صحیح استعمال سے ناواقف تھے۔

فارسی سرہ تحریک کے اہم رہنما مرزا محمد رضا خان افشار بکشلو قزوینی کو عربی سے ایسا تنفر تھا کہ وہ اپنا نام''غرویني'' لکھتے تھے۔وہ سعدی اور حافظ پر انتقاد کرتے تھے کہ انھوں نے عربی آمیز فارسی کیوں لکھی۔

خالص فارسی لکھنے کی تحریک میں اہم ترین نام سید احمد کسروی تبریزی کا ہے۔ انھوں نے کئی کتابیں لکھیں، بابیت، بہائیت اور مذہب تشیع کا محاکمہ کیا۔تصوف کا استہزاء کیا۔''پرچم''اور''پیان'' کے نام سے رسالے نکالے۔دورِ مشروطہ کی مکمل تاریخ لکھی۔انھوں نے فارسی میں عربی اور دوسری زبانوں کے کلمات استعمال کرنے کے خلاف نہایت شدت برتی ان کی شدت پسندی کا مزید اندازہ اس واقعے سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۴۵ء میں ایک مقدمے کی پیروی کے دوران ایک شخص کو انھوں نے ایسا سخت سست کہا کہ اس نے عین عدالت میں گولی مار کے ان کا کام تمام کر دیا۔

''فارسیِٔ سرہ'' لکھنے والوں کی اصل کوشش یہ تھی کہ ایران کی فارسی عربی سے بالخصوص پاک رہے۔مگر یہ شعوری کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔خود ان کی ایک تحریر جو اصل فارسی میں لکھی گئی ہے اس میں عربی الفاظ''مقاصد''،''عام''،''معنی''،''شرق'' شامل ہیں۔

''گفتند سعدی و حافظ باہمین زبان مقاصد خود را فہمایندہ اندمی گویم این سخن عامیانہ است،

سعدی و حافظ نہ دل شان برای مردم می سوخت و نہ پی بزرگی و نیرومندی تو وہ می بودند امروز بہ صدھا معنی نیاز داریم کہ سعدی و حافظ ہیچ نمی دانستند۔ امروز بیک زبان توانا و سادہ نیاز مندیم کو بدستیاری، آن اندیشہ ہائے خود را در سراسر شرق رواج دھیم'' (زبان فارسی مرتبہ یحییٰ ذکا، تہران ۱۳۳۴ش/۱۹۵۵ء صفحہ ۵۴/۵۵)

ترجمہ: لوگ ہم سے کہتے تھے کہ سعدی اور حافظ تو اس زبان کے ذریعے اپنے مطالب لوگوں سے سمجھاتے رہے ہیں کہوں گا کہ یہ ایک عوامی بات ہے۔ سعدی اور حافظ کو عام لوگوں سے ہمدردی نہ تھی اور عوام کی ترقی اور شکوہ مندی ان کا کام بھی نہ تھا۔ آج ہمیں ایسے سینکڑوں معانی و مفاہیم کی ضرورت ہے جن کی سعدی و حافظ کو خبر نہ تھی۔ ہمیں آج ایک موثر اور سادہ زبان کی ضرورت ہے جس کی مدد سے ہم اپنے افکار کو پورے عالم شرق میں رائج کر سکیں۔

ترکی میں متروکات کی تحریک:

اس سلسلے میں ہمیں ترکی کے مصطفےٰ کمال اتاترک کی عربی متروکات کی تحریک کو ذہن میں رکھنا چاہیے۔ جب عربی زبان، عربی میں اذان، عربی مدارس پر پابندی لگا دی گئی اور ترکی کا آئین خالص ترکی زبان میں لکھنے کا حکم دیا گیا اس کے باوجود اس آئین میں عربی الفاظ کو دانستہ ترک کرنے اور چن چن کر نکالنے کی کوشش کامیاب نہ ہوسکی اور آئین میں مجبوراً عربی کے ۴۵ الفاظ شامل کرنے پڑے۔ ان لفظوں کا متبادل دستیاب نہ تھا۔ اس لیے ابن خلدونؒ درست کہتے ہیں کہ اسلام ہر تہذیب میں روح بن کر سما جاتا ہے اور اس تہذیب کے غیر اسلامی عناصر کو الگ کر کے اسے خالص اسلامی روحانی سانچے میں ڈھال لیتا ہے۔ اس طرح عربی زبان ہر زبان میں روح کی طرح شامل ہوگئی جسے کھرچنے کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہوسکی۔

عربی کے طرف دار عناصر:

ایک جانب ایران میں شدت جذبات سے مغلوب وطنی عناصر کے زیر اثر فارسی زبان سے عربی آمیز خوبصورت الفاظ نکالے جا رہے تھے دوسری جانب فارسی سرہ تحریک کے دوران امیری فرہانی، شوریدہ شیرازی، بہار خراسانی، دھخدا قزوینی، رشید ہاشمی، خرسند شیرازی، بہروز ساوی جیسے ادباء و شعراء عربی آمیز خوبصورت الفاظ کا نظم و نثر میں استعمال کر کے فارسی میں عربی کے کلمات باقی رکھنے کی تائید کر رہے تھے۔

۱۹۳۴ء میں محمد علی فروغی وزیر اعظم ایران کی ذاتی دلچسپی سے افراط و تفریط کا یہ ہنگامہ کم ہوا اور ''فرہنگستان'' کی تشکیل کے ذریعے جگہ جگہ قائم الفاظ سازی کے کارخانے بند ہوگئے۔ اس وقت سے فیہ ادارہ آج تک کام کر رہا ہے۔ فرہنگستان کے مرتبہ ''واژہ ہای نو'' جن کے ذریعے نئی اصطلاحات و الفاظ رائج کیے گئے اور عربی و دیگر زبانوں کے مشکل مگر معروف و مستعمل الفاظ کو متروک قرار دیا گیا۔ لیکن نئے

الفاظ و اصطلاحات مکمل طور پر رائج نہ ہو سکے اور بے شمار الفاظ و تراکیب و اصطلاحات ''فرہنگستان'' کی متروکات میں شامل ہونے کے باوجود عوام و خواص میں مستعمل رہے اس لیے کہ زبانوں سے لفظوں کو نکالنا اور شامل کرنا ایک فطری عمل ہے۔ یہ طاقت سرکار اور دربار کے ذریعے نافذ العمل نہیں ہوسکتا۔ اس کا تعلق فطری پکار سے ہے جو انسان کے قلب سے اٹھتی ہے۔

ترکی آذری کردی زبانیں:

صدیوں سے ایران کی قومی زبان فارسی رہی ہے۔ اس کے باوجود آذربائیجان میں ترکی آذری زبان رائج ہے جس کا لہجہ استنبولی کہلاتا ہے۔ یہ لوگ شافعیہ ہیں اسی طرح کردستان میں کردزبان رائج ہے۔ ان دونوں صوبوں کی زبانوں اور فارسی کی رقابت بہت قدیم ہے۔

یہ رقابت مشروطہ خواہی کے دور میں نظر آتی ہے اور بعد میں بھی۔ ان دونوں علاقوں میں ابتدائی تعلیم (دورۂ دبستان) وہاں کی مادری زبانوں میں ہوتی ہے مگر فارسی بھی زبانِ دوم کے طور پر پڑھائی جاتی ہے۔ کوشش کی جاتی ہے کہ یونیورسٹی سے قبل کی تعلیم (دورۂ دبیرستان) میں ان علاقوں کے طلبا فارسی پر خوب مسلط ہوں اور امتحان دیپلم (کلاس دوازدہم) سب اسی زبان میں دیں۔ البتہ یہ کام بحالت مجبوری ہی ہوتا ہے اور گزشتہ چالیس سال سے سیاسی اختلافات کے دوران ان علاقوں میں زبان کو مسئلہ نزاع بنایا جاتا رہا ہے۔ جوں ہی مرکزی حکومت کمزور نظر آئے یا آذربائیجان اور کردستان میں کسی نئے سیاسی مسئلے کا بروز ہو۔ آذری یا کردی کو فارسی کے مقابل لا کھڑا کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں بڑے خون خرابے اور فسادات ہوتے رہتے ہیں۔

فارسی کا بزور قوت نفاذ:

بہرحال ایران کے ان خراب حالات میں کوئی ایک سال تک (۱۹۴۵ء کے وسط سے ۱۹۴۶ء کے وسط تک) آذربائیجان اور کردستان کے علاقوں نے حکومت خود اختیاری کا اعلان کیے رکھا اور ان میں بالترتیب آذری اور کردی زبانیں دفاتر اور مدارس میں رائج رہیں۔ آذربائیجان کے سیاسی رہنما سید جعفر پیشہ وری، علی شبستری اور صادق پادگان تھے جب کہ کردستان کے رہبر ملا مصطفیٰ بارزانی تھے۔ محمد رضا شاہ نے ۱۹۴۶ء میں قوت مہریہ سے کام لے کر یہ حکومت ہائے خود اختیاری ختم کیں اور مذکورہ دونوں علاقوں میں فارسی کو گزشتہ عہد کی مانند نافذ کروایا۔ نئی انقلابی حکومت جب سے ۱۹۷۹ء میں روبہ عمل آئی ہے ان علاقوں میں زبان کا مسئلہ پھر اچھالا جا رہا ہے۔

Quran

کردی اور ترکی زبانوں کو مٹانے کی کوشش:

زبان کا مسئلہ آذربائیجان اور کردستان میں گزشتہ سات عشروں سے جاری وساری ہے۔ دونوں صوبوں میں دو بڑی لسانی اقلیتیں آباد ہیں۔ آذربائیجان کے باشندوں کی مجموعی تعداد ایران کی کل آبادی کے ۱/۵ کے برابر ہے اور یہاں کے بیشتر افراد فقہ جعفری پر عمل کرنے والے لوگ ہیں۔

زبان کے مسئلے پر اس صوبے کے لوگوں کا سب سے پہلے رضا خان سے اختلاف شروع ہوا تھا، جب اس نے اس صوبے میں بھی فارسی زبان کو سرکاری زبان کی حیثیت سے نافذ کیا تھا۔ حکومت کے زور و قوت کے آگے جب یہاں کے عوام بے بس ہو گئے اور ان کے بچوں کو نوشتِ وخواند کے لیے لازمی طور پر فارسی زبان کو پڑھنا پڑا تو انھوں نے اپنے ایسے مدارس قائم کر لیے جو ترکی آذربائیجانی کی بھی تعلیم دیتے تھے۔ مگر رضا خان کے معزول ہونے کے بعد جب محمد رضا شاہ ایران کے تاج وتخت کا مالک بنا تو استحکام حاصل کرنے کے چند برسوں کے بعد ہی اس نے تمام ایسے مدارس کو بند کرنے کا حکم دے دیا جہاں ترکی آذربائیجانی پڑھائی جاتی تھی۔ اس کے بعد سے یہ زبان صرف گھروں میں بچوں کو پڑھائی جاتی رہی اور حکومت کی طرف سے اس بات کی برابر کوشش ہوتی رہی کہ کسی نہ کسی طرح یہ زبان صفحۂ ہستی سے مٹ جائے، مگر رضا شاہ کی حکومت کو اس میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

ایران میں عربی زبان کا احیاء:

۱۹۲۵ء میں شروع ہونے والی ''فارسیٔ سرہ'' کی تحریک نے ۱۹۷۸ء میں اس وقت دم توڑ دیا جب ایران میں اسلامی انقلابی حکومت قائم ہوئی۔ جس نے اعلان کیا کہ عربی چوں کہ قرآن مجید اور معارف اسلامی کی زبان ہے اور فارسی ادبیات میں اس کی مکمل طور پر آمیزش ہے لہٰذا پرائمری درجے کے بعد ثانوی تعلیم کے آخر تک تمام درجوں اور شعبوں میں عربی کی ایک لازمی مضمون کی حیثیت سے تعلیم جاری رہے گی۔ اصل میں کسی زبان کی ثروت مندی، زرخیزی، وسعت، تاثیر اور سربلندی کا راز لفظوں کو ترک کرنے، نکالنے، ختم کرنے اور مٹانے میں نہیں متروکات کے ذریعے زبانیں اپنی زرخیزی کھو دیتی ہیں، زبانوں کو زرخیز بنانے کے لیے لازم ہے کہ ترکِ ترک کی حکمت عملی اختیار کی جائے اور کسی زبان یا لفظ یا مذہب سے نفرت اور حقارت کا برتاؤ نہ کیا جائے۔ ایران میں غیر ملکی الفاظ اور غیر مقامی زبانوں کے خلاف متروکات کی ایک خوفناک تحریک کا خوبصورت انجام اردو کے لیے بھی سنہرے مستقبل کی امید دلاتا ہے۔

تاریخ اسلام کا اہم ترین واقعہ فتح ایران ہے، جنگ نہاوند نے عربوں کو ایک حسین ملک کے علاوہ ایک قدیم تہذیب بھی عطا کی۔ اس فتح کے نتیجے میں عرب ایک ایسی قوم سے روشناس ہوئے جو سامی

اور آریائی عناصر کے امتزاج سے کئی ایک تہذیبوں کو جنم دے سکے۔ فتح ایران سے ہمیں وہی کچھ حاصل ہو گیا جو فتح یونان سے رومیوں کو ملا تھا۔ رسول اللہؐ کا وصال مبارک ۶۳۳ء میں ہوا اور فتح ایران ۶۴۱ء میں ہوئی۔ اس لحاظ سے اردو، فارسی اور اسلام تقریباً ہم عمر ہیں۔ اس فتح کا سب سے بہترین ثمر فارسی زبان کا احیاء و ارتقاء تھا جس نے برعظیم پاک و ہند سے لے کر وسط ایشیا اور ترکی تک اپنے اثرات مرتب کیے۔

اسلام کا رویہ غیر عربی زبانوں سے:

فارسی زبان سے قبل ایران میں فارسیٔ باستان، اوستان اور پہلوی زبانیں رائج تھیں ان کا مخصوص رسم الخط تھا۔ ایران کی قدیم زبانیں فارسی متوسط، پارتھی، سغدی، خوارزمی اور ختنی تھیں۔ فتح ایران کے وقت یہاں پہلوی زبان کا سکہ رواں تھا۔ ایران میں اسلام اور عربی زبان کے غلبے کے باوجود کبھی عربی کو مسلط نہیں کیا گیا مثلاً ابن سینا، البیرونی اور الجرجانی کی کسی نے نہ مذمت کی نہ تکفیر کہ وہ علمی کتابوں میں فارسی میں کیوں لکھتے ہیں اور عربی کلمات کیوں نہیں لاتے۔ اسلام کی روح ایرانی تہذیب کے قالب میں سما گئی اور رفتہ رفتہ قرآن مجید کا رسم الخط عربی حروف تہجی کے ذریعے بلاد ایران میں ۶۴۱ء میں رائج ہو گیا اور اس میں نئے حروف تہجی کا بھی اضافہ ہوا۔

ایرانیوں نے جب عربی رسم الخط کو اپنی زبان کے لیے اختیار کیا تو اس میں بہت سی تبدیلیاں پیدا کیں۔ ابتدائی عربی حروف تہجی میں بہ شمول ہمزہ ذیل کے صرف ۲۹ حروف شامل تھے۔

ا ب ت ث ج ح خ د ذ ر ز س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک ل م ن و ہ ء ی

قرآن میں ۱۰۴ الفاظ عجمی ہیں

اردو زبان کے حروف تہجی کی وسعت

اردو اپنے حروفِ تہجی کے اعتبار سے بھی دنیا کی منفرد ترین زبان ہے بعض محققین کے مطابق اردو حروف کی تعداد ۵۰ ہے۔ بعض کے نزدیک صرف ۳۶ ہے، بقیہ چودہ حروف آوازیں کہلاتے ہیں۔

انگریزی حروفِ تہجی ۲۶، ہندی ۴۲، عربی ۲۹ اور فارسی کے حرف تہجی ۳۳ ہیں۔ لہٰذا اردو کے حروف تہجی تمام زبانوں سے زیادہ اور جامع ہیں۔ یہ دنیا کی واحد زبان ہے جس میں پانچ زبانوں کے حروفِ تہجی اور آوازیں سموئے ہوئے ہیں عربی، فارسی، یونانی، ہندی اور سنسکرت۔ اس طرح اردو دنیا کے کئی بڑے لسانی خاندانوں کے حروف اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ واضح رہے کہ زبانوں کے یہ خاندان دنیا کی اسی فی صد سے زیادہ آبادی کا احاطہ کرتے ہیں اور دنیا کی ۷۰ فی صد زبانوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے اردو دنیا کی اسی فی صد آبادی کے لیے ایک مانوس ہر دل عزیز زبان کا درجہ اختیار کر سکتی ہے غالباً اسی لیے UNESCO کے اعداد و شمار کے مطابق زبانوں کی فہرست میں اسے تیسرے نمبر پر رکھا گیا۔ اردو زبان ایک مکمل لسانیاتی نظام کی حامل زبان ہے۔ یہ نظام زبان کی ہر سطح پر دیکھا جا سکتا ہے۔ پہلی سطح صوتیات (Phonology)، دوسری سطح لفظیات (Morphology) تیسری سطح جملے کی ساخت (Syntax) ہے۔ ۔۔ نظام لسانیات کی کارفرمائی کا ان تمام سطحوں پر جائزہ اس مضمون میں تاریخی حوالوں سے مختصراً پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ اردو دنیا کی منفرد ترین اور زرخیز ترین زبان ہے۔ اس کا رسم الخط انگریزی یعنی رومن رسم الخط اور دیوناگری رسم الخط کے مقابلے میں عظیم الشان اور عالی شان رسم الخط ہے اور اس رسم الخط کے کمالات، معجزات سے دنیا ابھی تک بے خبر ہے۔ اگر اردو اپنا رسم الخط تبدیل کر دے تو ان

Quran

تمام کمالات سے تہی دامن ہو جائے۔

اردو کی سب سے بڑی خاصیت یہ ہے کہ اعراب کے لیے الگ سے حروف نہیں لکھے جاتے بلکہ نشانات ظاہر کیے جاتے ہیں اور وہ بھی نہایت مختصر یہ خصوصیت سامی النسل زبانوں میں مشترک ہے۔ رومن رسم الخط میں حروف کے ذریعے زیر زبر پیش کی آواز کا کام لیا جاتا ہے جس سے رسم الخط بوجھل ہو جاتا ہے۔ سنسکرت میں ماتراؤں کا استعمال ہوتا ہے جو حروفِ تہجی تو نہیں ہوتے مگر حروفِ کی طرح جگہ گھیرتے ہیں جس سے زبان بوجھل اور مشکل ہو جاتی ہے۔

اردو زبان کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس زبان کے بولنے والے دنیا کی تمام زبانوں کے حروف تہجی، مخارج، اصوات، تلفظ اور ہجے ادا کر سکتے ہیں۔ اس میں واحد استثناء تامل زبان کا ایک لفظ ''الڈ'' ہے جو اردو بولنے والے زبان سے تو ادا کر سکتے ہیں لیکن اردو رسم الخط اسے لکھنے سے قاصر ہے۔ لسانیاتی علوم میں صوتیات کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ صوتیات لسانیات کی اس شاخ کو کہتے ہیں جس میں اعضاء نطق سے پیدا ہونے والی اصوات کا مطالعہ کیا جائے۔ اس کی مدد سے کسی بھی زبان میں استعمال ہونے والی آوازوں کی شناخت اور ان کا تعین ہو سکتا ہے۔ صوتیات کے مطالعے سے غیر تحریری زبانوں کو تحریر کے لباس سے آراستہ کیا جا سکتا ہے۔ اعضاء نطق سے پیدا ہونے والی ہر ممکن آواز کے لیے صوتی علامتیں مقرر ہیں جو رومن تحریر میں لکھی جاتی ہیں۔ اسے بین الاقوامی صوتی رسم الخط IPA کہا جاتا ہے۔

لہٰذا ''الڈ'' کے لفظ کو اردو میں بعض علامتوں کے اضافے سے ظاہر کرنا مستقبل قریب میں ممکن ہوگا۔

اردو کے حروف تہجی:

اردو کے حروفِ تہجی جب ترتیب دیئے جا رہے تھے تو ان ترتیب کنندگان کی نظریں نہایت گہری، باریک بین اور دور بین تھی۔ حروف تہجی کے کٹھن مرحلے میں انھوں نے آنے والی صدیوں میں مستقبل کے تمام امکانات کے دریچے کھلے رکھے اس دور بینی کا نتیجہ یہ ہے کہ اردو کے حروف تہجی نہ صرف عربی، فارسی، یونانی، سنسکرت، ہندی، ترکی (ازبک) اور ہندوستان کی مقامی زبانوں کے تلفظ کی ادائیگی کی اہلیت رکھتے تھے۔ بلکہ فرانسیسی، جرمن، منگولیائی، چینی، جاپانی الغرض دنیا کی تمام زبانوں کے اڑتیس خاندانوں کی تقریباً ہر زبان کے الفاظ کی ادائیگی کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اردو زبان کا ایک اور اعجاز یہ ہے کہ جب اس نے دیوناگری رسم الخط کے بجائے عربی رسم الخط کو اپنانے کا تہیہ کیا تو عربی کی برکت نے اس زبان میں عربی زبان کی خوبیاں اور وسعت بھی پیدا کر دی۔ یہ زبان اب عربی کے برابر کھڑی ہو سکتی ہے۔

عربی زبان میں چ اور پ کا استعمال:

اردو زبان کی اثر پذیری اور سحر طرازی کا ایک تازہ ترین ثبوت یہ ہے کہ عربی زبان میں ''چ'' اور ''پ'' قبول کرلیا گیا ہے اور اسے عراقی اور سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور عمان کی عربی میں برتا جا رہا ہے۔ مثال کے طور پر ٹوتھ پیسٹ کلوزاپ کو بالکل اسی انداز میں عربی میں لکھا جا رہا اور برٹش پٹرولیم میں BP کے ساتھ ب پ لکھا جاتا ہے۔

اردو زبان کے انگریزی پر اثرات:

اردو کی اثر پذیری کا معاملہ صرف عربی زبان تک محدود نہیں ہے بلکہ سکہ دوراں انگریزی زبان بھی اردو زبان سے برابر استفادہ کر رہی ہے۔

کولن ڈکشنری کی مدیر اعلیٰ کے مطابق ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک کا دور ایسا تھا جب انگریزی میں اردو کے تہذیب یافتہ الفاظ شامل ہو رہے تھے۔ مثلاً نواب Nabob، میم صاحب، ریاست، ٹھگ، پردہ وغیرہ، لیکن انگلستان میں ایشیائی تارکین وطن کی آمد سے انگریزی زبان میں ایشیائی اور اردو الفاظ کے کثرت سے استعمال نے انگریزی زبان دانوں کو مخمصے میں ڈال دیا۔

قرآن میں ۱۰۴ الفاظ عجمی ہیں:

عربی زبان جو اپنے سوا سب کو عجم کہنے میں جھجک محسوس نہیں کرتی لسانیات کے معاملے میں خود کفیل نہ ہو سکی لہٰذا اسے عجمیوں یعنی دنیا بھر کے گونگوں سے استفادہ کرنا پڑا اور عربی زبان میں عجم کے بے پناہ الفاظ در آئے۔ رسالت مآب خاتم المعصومینؐ نے عربوں کے اس فخر و غرور کے بُت کو خطبہ حجۃ الوداع میں ریزہ ریزہ کر دیا۔ عربوں کا یہ دعویٰ کہ پوری دنیا عجم ہے محض دعویٰ تھا حقیقتاً عربی زبان میں دیگر زبانوں کے دخیل اور معرب الفاظ کثرت سے شامل تھے۔

قرآن کریم میں عجمی الاصل الفاظ کی کل تعداد ۱۰۴ ہے اور ۴۹ ایسے غیر عربی اعلام بھی قرآن میں آئے ہیں یوں ان سب کی مجموعی تعداد ۱۵۳ تک پہنچتی ہے۔

ان الفاظ میں سریانی، حبشی، عبرانی، فارسی، آرامی، یونانی، نبطی الفاظ شامل ہیں۔ جناح (گناہ)، دینار، سراب، زنجبیل، کافور کنز، مِسک، مرجان، سرابیل (پاجامہ)، سراج (چراغ)، فیل (ہاتھی)، بیع، ہنور، ابریق، سجیل، مجوس خالص فارسی الفاظ ہیں۔

انگریزی میں ستر فی صد الفاظ فرانسیسی ہیں:

انگریزی زبان میں ۷۰ فی صد سے زیادہ الفاظ فرانسیسی زبان کے ہے۔ اس کے بعد ہسپانوی،

اطالوی، یونانی زبان کے الفاظ کی کثرت ہے۔ اردو زبان میں کسی بھی ایک زبان کے الفاظ انگریزی کی طرح اتنی کثرت سے شامل نہیں ہیں۔ اردو نے گل دستے کی طرح ہر پھول سے استفادہ کیا ہے۔ اس لیے اس کی شکل وصورت زبانوں کے خاندان میں نہایت منفرد ہے۔ اس معاملے میں اردو زبان کا کوئی ثانی نہیں۔ اردو زبان میں مغیّرات، مولّد اور مبدّل الفاظ کثرت سے شامل کیے گئے اور اب یہ زبان میں اس طرح گھل مل گئے ہیں کہ اجنبی محسوس نہیں ہوتے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اردو میں دخیل، مغیّر، مولّد، مبدّل، موّردیا، گھڑے گئے الفاظ کی تعداد ستر فی صد سے زیادہ ہے لیکن اس موضوع پر اردو زبان میں کام نہ ہونے کے برابر ہے، اس کی بنیادی وجہ محققین کی غیر ملکی زبانوں سے عدم واقفیت اور اب تحقیق سے روز بروز کم ہوتی ہوئی دلچسپی ہے۔

عربی زبان میں اس موضوع پر نہایت قابل قدر تحقیقی کام ہوا ہے۔ ''**ثعالبی کی فقہ اللغہ**''، ''**ابن درید کی جمھرۃ اللغہ**''، ''**جوالیقی کی المعرب**''، ''**مطرزی کی المغرب فی اللغۃ**'' **جو المغرّب فی ترتیب المعّرب** کے نام سے موسوم ہے، **خفاجی کی شفاء الغلیل فیما فی کلام العرب من الدخیل**، اور **طوبیہ العینی الحلبی البستانی کی** ''**تفسیر الالفاظ دخیلہ فی اللغۃ العربیہ مع ذکر اصلھا بحروفہ، ادی شیر کی الفاظ الفارسیہ المعرّبہ**'' اور ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کا پی ایچ ڈی کا مقالہ Studien uber der persichen Fremdwoerter in klassisch جو ۱۹۱۹ء میں گوئٹینگن سے شائع ہوا تھا۔ (کراچی کے ایک علمی وتحقیقی ادارے کے زیر اہتمام ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے اس گراں قدر مقالے کے اردو ترجمے کے انتظامات کیے جا رہے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر محی الدین قادری زور کے پی ایچ ڈی کے مقالے Hindustani Phoenetics پیرس ۱۹۳۰ء کا ترجمہ بھی شائع کیا جائے گا)

Quran

دنیا کے اہم زبانوں کے حروف تہجی ملتے جلتے ہیں

ماں، باپ اور جنت کے الفاظ تمام زبانوں میں تقریباً یکساں ہیں

بائبل کی کتاب پیدائش (۱۱/۱۔۹) کا بیان ہے کہ طوفان نوح تک سارے انسانوں کی ایک ہی زبان تھی پھر جو لوگ غرق ہونے سے بچے تھے وہ ملک شنار کی طرف گئے اور وہاں پختہ اینٹوں سے ایک شہر بنانا شروع کیا اور اس میں ایک مینار بھی بنانا چاہا جو اتنا بلند ہو کہ آسمان تک پہنچ جائے۔ یہ بات خدا کو پسند نہ آئی اور وہ آسمان سے اتر کر اس مقام کو آیا اور ان لوگوں کو سارے کرہ ارض پر منتشر کر دیا۔

بائبل کی ان آیات میں مینار کا بیان غالباً اس منشاء کا اظہار ہے کہ وہ لوگ مینار پر چڑھ کر خدا کو دیکھنا چاہتے تھے لہٰذا خدا نے ناراضگی کے باعث ان کو کرہ ارض منتشر کر دیا۔ اس انتشار کے باعث ان کی زبان بھی منتشر ہوگئی اور جس جگہ یہ مینار بنا گیا تھا اس مقام کو بابل کا نام دیا گیا جس کے معنی ہیں زبانوں کا مختلف ہو جانا، نت نئی زبان کا پیدا ہونا۔

باب پیدائش کی آیات یہ بتاتی ہیں کہ کائنات کا آغاز ہوا تو کائنات کی زبان ایک ہی تھی۔ کائنات کے پہلے انسان آدمؑ حواؑ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اور پیغمبر تھے جن سے نسل انسانی کا آغاز ہوا، تاریخ اور الکتاب بتاتی ہے کہ پیغمبر زبان اور کتاب کے بغیر ظہور نہیں فرماتے۔ جب کائنات کا آغاز روشنی، کتاب اور رسالت کے سائے میں ہوا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ روئے زمین پر پیغمبر اور پیغمبر کے گھرانے والے طلاقت لسانی سے محروم ہوں اور اشاروں کنایوں میں گفتگو کرتے ہوں اور اشاروں، کنایوں میں بات چیت کا یہ سلسلہ صدیوں تک جاری و ساری رہا ہو۔ ہندوؤں کی مذہبی کتاب مقدس اپنشد میں درج ہے ''ہر نام کی ابتداء حرف سے ہوئی اور حروف ہی سے ہر نام منسوب کیا گیا۔ انجیل مقدس میں منقول ہے۔

In the Begining was the Word and the word was with God and the word was God

Quran

قرآن کریم کی پہلی آیت ہے ''اقرا باسم ربک'' اس کا انگریزی ترجمہ Proclaim the word of God مفسرین اور علمائے حق نے اقراء کے لیے دو لفظ استعمال کیے پڑھ اور بول انگریزی میں اس کے لیے Read اور Proclaim کے الفاظ منتخب کیے گئے جب کہا گیا ''پڑھ'' یا ''کہہ'' تو یہ اعلان کا حکم رکھتا ہے۔ ان تینوں الفاظ پڑھ، کہہ اور بول میں مشورہ بھی ہے، ترغیب بھی ہے اور حکم بھی۔ دنیا کے تین بڑے مذاہب کی مذہبی اور الہامی کتابیں اسی بات کی توثیق کرتی ہیں کہ حرف اور اسم سے ہی خدا کا ذکر کیا جاتا ہے اور کائنات کا آغاز ذکر خداوندی سے ہی ہوا۔

دنیا میں زبان کے آغاز و ابتداء کے بارے میں قدیم ترین نقطہ نظر الہامی نقطہ نظر ہی رہا ہے۔ تحریف کے نتیجے میں ظہور پذیر مذاہب میں بھی زبان کے لحاظ سے الہامی نقطہ نظر کی جھلک تو نظر آتی ہے مگر یہ تحریف شدہ نقطہ نظر ہے لیکن اس کی اساس یہ الہام ہے کہ اللہ نے آدم کو اسماء سکھائے اور زبان و بیان کی صلاحیت عطائے ربانی ہے۔

مذہبی نقطہ نظر ایک دو روز کا قصہ نہیں لاکھوں کروڑوں سال کا قصہ ہے۔ تاریخ بتاتی ہے اور بالکل ٹھیک بتاتی ہے کہ زمانہ قدیم میں لوگ زبان کو عطیۂ خداوندی اور فنِ تحریر کو دیوتاؤں کی ایجاد سمجھتے تھے۔ چناں چہ سنسکرت کو ''دیوتاؤں کی زبان'' اور دیوناگری کو ''دیوتاؤں کا خط'' ماننے کا عقیدہ اب تک چلا آتا ہے۔ اسی طرح دیوناگری کا پیشرو براہمی خط برہما کی ایجاد مانا جاتا تھا۔ قدیم اہل مصر فنِ تحریر کا موجد تھا تھ دیوتا کو مانتے تھے جس کا جسم انسان کا لیکن سر آئی بس نامی پرند کا بتایا جاتا تھا۔ اسی دیوتا کو وہ ریاضی اور علوم نجوم کا بانی سمجھتے تھے۔ عراق کے قدیم باشندے فنِ تحریر کو اونیس دیوتا سے منسوب کرتے تھے۔ ان کی روایت کے مطابق وہ روز سمندر سے نکل کر انسان کو تہذیب و تمدن کی تعلیم دیا کرتا تھا۔ اسی لیے اسے مچھلی کی کھال اوڑھے دکھایا جاتا یا پھر اس کا اوپر کا جسم انسان کا اور نیچے کا مچھلی کا بناتے تھے۔

زبانوں کے آغاز کے بارے میں دنیا کا قدیم ترین نقطہ نظر مذہبی یا الوہی نظریہ کہلاتا ہے جس میں زبانوں کی اصل الوہی یا الہامی قرار دی گئی ہے۔ اس اقرار کے باوجود بعض مذاہب نے اپنی زبان کو قدیم ترین قرار دیا ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے نزدیک اصل زبان عبرانی تھی۔ ہندوؤں نے سنسکرت کو قدیم جانا، بدھوں کے نزدیک پالی پراکرت قدیم ترین زبان ہے۔ چینیوں کی لسانیات کی کئی کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ اردھ ماگدھی پراکرت کو انسان و حیوان کی ازلی زبان مانتے ہیں۔ اس دعوے کی بنیاد یہ مفروضہ تھا کہ پیر تھنکروں کے وعظ نہ صرف انسان بلکہ حیوان بھی سمجھتے تھے آخری تھنکر پرسوامی دیہات کے رہنے والے تھے وہ اپنی زبان اردھ ماگدھی میں وعظ کرتے تھے۔ بعض قوموں نے بھی اپنی زبان کو دنیا کی پہلی زبان قرار دینے

کی کوشش کی ۔مثلاً سولہویں صدی میں ولندیزی عالم بے کانس نے ڈچ زبان کواور اسی زمانے میں دواور محققین نے بہت ہی قدیم جرمن کواصل زبان قرار دیا۔

قرآن کریم میں آدمؑ کو نام سکھانے کا ذکر مختلف آیات میں آیا جس میں اللہ تعالیٰ آدمؑ کوتمام اسماء سکھاتے ہیں پھران موسوم شدہ چیزوں کوفرشتوں کودکھا کر پوچھتے ہیں کہ کیاتم ان چیزوں کے نام بتا سکتے ہو؟ فرشتے اپنی بےعلمی کا اعتراف کرتے ہیں کہ اس بارے میں ہمیں کچھ نہیں معلوم۔ پھر آدمؑ ان فرشتوں کوان چیزوں کے نام بتاتے ہیں۔ جب آدمؑ نے ان کے نام بتائے۔کم وبیش یہی قصہ بائبل کی کتاب پیدائش آیت ۱۹،۲/۲۰ میں درج ہے۔ بائبل کی آیات میں چیزوں کونام حضرت آدمؑ دیتے ہیں۔زبان و بیان کے سلسلے میں ناموں کی اہمیت بنیادی چیز ہے۔کنفوشس کتابوں Wu Ching اورShih Shu میں ناموں کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔اپنشد، بائبل، کنفوشس اور قرآن کریم سے اسماء کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہےاور یہی اسماء حروف والفاظ کی صورت میں زبان کی تعمیر وتشکیل کرتے ہیں اسی لیے کائنات کے آغاز سے پہلے ہی ایک مکمل زبان سے آدم وحوا علیہما السلام کوواقف کرادیا گیا تھا۔

قرآن کریم نے انسان کے بارے میں بیان فرمایا''**لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم**'' ہم نے انسان کوبہترین صورت پر پیدا کیا۔اس کے ساتھ یہ بھی''**خلق الانسان علمه البیان**''(رحمٰن)ہم نے انسان کو پیدا کیااوراسے بولنا سکھایالہٰذا کائنات کا آغاز انسان نے زبان وبیان کی اعلیٰ ترین صلاحیتوں کے ساتھ کیا۔ یہ الہامی نقطہ نظر ہےاور بالکل درست نقطہ نظر ہے۔سائنس اس کی تردید نہیں کرسکتی اوراس کی تردید کی کوئی حیثیت نہیں۔

سائنس کواس طریقے سے رد کرنے پر کچھ لوگوں کوحیرت ہوگی لیکن اس حیرت کی کوئی وجہ نہیں۔ سائنس کے نظریات آئے دن بدلتے رہتے ہیں مثلاً پہلے سائنس دانوں کا دعویٰ تھا کہ آدم کی تخلیق اور دنیا کی تخلیق کوساڑھے سات ہزار سال ہوئے ہیں اور بعض مورخین کی تحقیقات کے مطابق دنیا کی معلومہ تاریخ ساڑھے سات ہزار سال کا احاطہ کرتی ہے جب کہ فی الحقیقت دنیا کے آغاز کوکتنی صدیاں گزر چکی ہیں؟اس کا ادراک ذہنِ انسان کی رسائی سے ماورا ہے۔۱۹ویں صدی تک دنیا کی عمر لاکھوں سال بیان کی گئی تھی۔ ۲۰ویں صدی میں اس کی عمر کچھ اور بڑھ گئی لیکن تازہ ترین تحقیقات کے مطابق دنیا کی عمر ۸۷ کروڑ سال سے زیادہ ہے اس سلسلے میں آسٹریلیا میں دریافت ہونے والے رکازات (fossils) سے زندگی کے معروف نظریے کی نفی ہوگئی ہے

''اسکاٹ لینڈ سے بیالیس کروڑ اٹھاسی لاکھ سالہ قدیم زندگی کے آثار برآمد کرلیے گئے ہیں۔

جانوروں کی یہ باقیات ساحلی شہر اسٹون ہیون سے برآمد ہوئیں۔سائنس دانوں نے ان رکاز (باقیات) کے تجزیے اوران کے زمانے کے تعین کے لیے کئی ماہ صرف کیے۔ان کی دریافت سے زمین پر حیوانی زندگی کی ابتداء کے بارے میں معروف نظریے کی نفی ہوگئی۔رکاز کا نام انھیں دریافت کرنے والے بس ڈرائیور کے نام پر رکھ دیا گیا ہے۔اسکاٹ لینڈ کا علاقہ اس زمانے میں خط استوار پر واقع علاقوں کا حصہ تھا۔ان ماہرین کا کہنا ہے کہ یہ دریافت اس اعتبار سے انتہائی اہمیت کی حامل ہے کہ اس سے اس تصور کی نفی ہوتی ہے کہ زمین پر حیوانات کی زندگی کا آغاز بہت بعد میں ہوا۔ان آثار کا نام انھیں دریافت کرنے والے شخص کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے اس کے نام پر رکھا گیا ہے۔مائیک نیومین نامی یہ شخص ایک بس ڈرائیور ہے اور بطور شوق قدیم آثار کی تلاش کرتا ہے''۔

سائنس دان ابھی تک اس بات کا فیصلہ نہیں کر سکے کہ کائنات کا آغاز کب ہوا۔ہر نیا دن کائنات کی عمر کے بارے میں ایک نیا نقطہ نظر پیش کرتا ہے اور عموماً یہ نقطۂ نظر کائنات کی عمر میں اضافے کا ہی نقطۂ نظر ہے لیکن عین ممکن ہے کہ کچھ عرصے بعد کائنات کی عمر کم کرنے کا نقطہ نظر قابل قبول ہو جائے۔لہٰذا سائنس دانوں کے پاس کروڑوں سال پہلے کی معلومات موجود نہیں وہ محض قیاسات کی بنیاد پر تحقیقات پیش کرتے ہیں لسانیات کے حوالے سے بھی ان کی تحقیقات محض مفروضات،خواہشات،اور قیاسات کا دفتر ہے۔

لامحالہ ہمارے پاس لسانیات کے حوالے سے اہم ترین اور بنیادی ترین ماخذ مذاہب عالم کی کتابیں ہیں جن کو دنیا کے مختلف خطوں میں قرن ہا قرن سے نسل در نسل پڑھا جا رہا ہے اور کوئی محقق ان کتابوں کا انکار نہیں کر سکا۔

مذاہب سے قطع نظر ہم دنیا کی اہم زبانوں کے حروف تہجی کا تحقیقی مطالعہ کرتے ہیں تو وہاں بھی وہی صورت حال نظر آتی ہے کہ ان حروف تہجی میں حیرت انگیز مماثلت اور مطابقت پائی جاتی ہے۔ذیل میں عربی،عبرانی،یونانی،حبشی،انگریزی زبانوں کے حروف تہجی تحریر کیے جا رہے ہیں۔

حروف تہجی کی یکسانیت اہم زبانوں میں

	عربی	عبرانی	یونانی	حبشی	انگریزی
۱	الف	الف	الفا	اَلف	a
۲	با	بیط	بیتا	بیت	b
۳	جیم	گیمل	گاما	جیمیل	c

۴	دال	دَالَط	دیلتا	دینت	d
۵	ہا	ہے	ایپ سی لون	ہوئی	e
۶	واؤ	داؤ	واؤ	واوے	f
۷	زا	زین	زیتا	زائی	g
۸	حا	حیط	اِیتا	حاؤط	h
۹	طا	طیط	تھیتا	طیٔط	i
۱۰	یا	یود	اَیوتا	یمن	j
۱۱	کاف	کاف	کاپا	کاف	k
۱۲	لام	لائد	لامدا	لاوے	l
۱۳	میم	میم	مو	مائی	m
۱۴	نون	نون	نُو	نحاس	n
۱۵	سین	سامک	سی	ست	p
۱۶	عین	عین	اومیکرون	عین	q
۱۷	فا	فے	پائی	الیف	r
۱۸	صاد	صادے	سان	صادائی	
۱۹	قاف	قوف	کوپاّ	قاف	s
۲۰	را	ریش	رہو	ریس	t
۲۱	شین	شین	سگما	شاؤت	u
۲۲	تا	تاؤ	تاؤ	تاوے	v

ان زبانوں کے حروف تہجی کے تقابلی مطالعے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ان میں بنیادی فرق نہیں ہے۔اس وقت دنیا میں زبانوں کے جتنے بھی خاندان موجود ہیں وہ انہی حروف تہجی سے زبان کا بازار سجاتے ہیں۔حروف تہجی کی حد تک دنیا کی تمام بڑی اور اہم زبانیں یکساں نوعیت کی حامل ہیں اور حروف تہجی کی مماثلت اس دعوے کی اہم دلیل ہے کہ دنیا کی پہلی زبان ایک ہی تھی۔اس دعوے کی دوسری اہم ترین دلیل یہ ہے کہ دنیا کی

زبانوں میں ماں، باپ اور جنت کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ تقریباً تمام زبانوں میں مشترک ہیں۔

''فردوس'' جنت کے لیے معروف ترین لفظ، تمام انسانی زبانوں میں مشترکہ طور پر پایا جاتا ہے۔ سنسکرت میں ''پردِشا'' قدیم کلدانی زبان میں ''پردیسا''، قدیم ایرانی ژند میں ''پیری وائزا''، عبرانی میں ''پردیس''، ارمنی میں ''پردیز'' سریانی میں ''فردیسو''، یونانی میں ''بارادائسوس''، لاطینی میں ''بارادائیسس'' عربی میں ''فردوس''۔ یہ لفظ ان سب زبانوں میں ایسے باغ کے طور پر بولا جاتا ہے جس کے گرد حصار موجود ہو، وسیع ہو، قیام گاہ سے متصل ہو، ہر قسم کے پھل خصوصاً انگور پائے جاتے ہوں اور بعض زبانوں میں تو منتخب پالتو پرندوں، جانوروں کا بھی پایا جانا اس کے مفہوم میں شامل ہے۔ قرآن سے پہلے عرب کے کلام جاہلیت میں بھی فردوس مستعمل تھا۔ اس کے بعد ماں باپ کے الفاظ پر غور کیجیے یہ بھی تمام زبانوں میں کم وبیش مشترک ہیں۔ یہی حال لفظ پانی کا ہے اور لفظ آخرت یا قیامت میں بھی مماثلت پائی جاتی ہے۔

باپ

انگریزی	سنسکرت	عربی	ترکی	جاوانی نگوکو
Father	پترا	اب	بابا	بابا
مالائی	براہل	تبتی (تحریری)	پکھیا	تھولنگیا
بابا	باؤ	فا	بابائی	پاپ۔اپاپ
کھالنگ	دنوار	پاہری	چینگ	بھرامو
اپاپ	بابا	با	بابو	بابائی
دنوار	پاہری	چینگ	بھرامو	کسوار
بابا	با	بابو	بابائی	بابا یک
تھارو	کوچ	سب ساگر میری	برمی (تحریری)	برمی (بول چال)
بابا	باپ	بابا	فائی	فاای

Quran

تونگھ تو	سنتالی	بھومیج	اوراون	گیاتی
فا	بابا	بابو	بابی	بابا
رٹ لک	کولامی	ماڑی	کری	چینٹشو
باوا۔دادا	باو	بابا	با۔ابا	با
		ماں		
انگریزی	سنسکرت	عربی	باسک	گیامی
Mother	ماتر	ام	اما	ما
تکپا	مانیاک	ہورپا	اما	تبتی (تحریری)
اما	اما	اما	اما	اما
تبتی (بول چال)	سرپا	سنوار	گورنگ	مرمی
اما	اما	اما	امور	اما
مگار	تھکسیا	پکہیا	لمبو	کیرانتی
ما	آما	اما	آما	اوما
روڈنگ	رنگچن بنک	چھنگ تنگیا	نچھرنگ	ویلنگ
ما	اوما	اوما	اوما	اما
یاکھا	چوراسیا	کولنگیا	تھولنگیا	باہنگیا
ای ما	آمو	امی	مام	آمو
لوہورونگ	لمچھونگ	بالالی	سانگ پانگ	ڈمی

Quran

اما	اما	اما	اما	مایام
ڈمی	کھالنگ	ڈنگمالی	پاہری	چینگ
مایام	مام	اما	می	امل
بھرامو	وایو	کسوار	کوسندا	لپ چا (سکم)
امل	اومی	آمی	مائی	آمو
بھوٹانی لہوپا	بودو	دھمل	کوچ	گارو
آئی	اما	اما	ما	اما
کاچاری	سونی پوری	مٹھن ناگا	ابورمیری	برمی (تحریری)
آای	اما	امو	ناما	امی
برمی (بول چال)	کمی	سگاؤ کیرن	پوو کیرن	تونگھو
امی	اما	مو	مو	من
انامیتی	سیامی	اووم	خامتی	لاؤس
می	ما	می	می	می
بھومیج	نیکوڈی	کولامی	کیکاڑی	چینٹو
مائی	اما	اما	اما	اما
تامل قدیم	ملیالم جدید	سنہالی		
اماں	ماں	اما		
		پانی		

Quran

انگریزی	سنسکرت	عربی	باسک	مانشو
Water	اپ	ماء	ار	ما کی

سوکپا	پکھیا	روڈنگ	سانگ پانگ	کسوار
واسو	پانی	وا	وا	پانی

تھارو	اوراون	راج محلی	رٹ لک	نیکوڈی
پانی	ام	ام	ار	ار

کولامی	ماڑی	کیکاڑی	چینٹشو	تو ددوا
ار	ار	تانی	پانی	مرو

۱۷۷۲ء میں برلن اکیڈمی نے زبان کے آغاز کے موضوع پر ایک مقابلہ منعقد کیا جس میں Herdel کا مقالہ بہترین مقالہ قرار دیا گیا اس مقالے میں اس نے الوہی نظریہ لسان پر اہم اعتراضات اٹھائے۔

۱۔ اگر زبان خدائی تخلیق ہوتی تو وہ بہت با قاعدہ ہوتی لیکن تمام زبانوں میں عجب بے اصولی و بے ترتیبی پائی جاتی ہے۔

۲۔ زبان میں بنیادی الفاظ فعل کے مادے ہیں جن سے متعدد اسماء کا اشتقاق ہوتا ہے، اگر خدا زبان تخلیق کرتا تو ماجرا برعکس ہوتا وہ انسان کو سب سے پہلے چیزوں کے نام سکھا تا فعل بعد میں آتے۔ افسوس یہ ہے کہ ہرڈل نے قرآن کریم میں تخلیق آدم سے متعلق آیات کا مطالعہ نہیں کیا جہاں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ اللہ نے سب سے پہلے آدم کو نام سکھائے۔

جہاں تک زبانوں میں عجب بے اصولی و بے ترتیبی کا تعلق ہے یہ اعتراض کرتے ہوئے ہرڈل نے دو چیزوں کا خیال نہیں رکھا۔

۱۔ اس کائنات کے آغاز کو کروڑوں سال ہو چکے ہیں، یہ سائنس کا دعویٰ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ لاکھوں سال نئی تحقیقات کے بعد اربوں سال میں تبدیل ہو جائیں۔ آدمِ اول کی زبان کروڑوں سال کا سفر کرتے ہوئے ایک ہی سانچے میں کیسے ڈھلی سکتی تھی؟ اگر مذہبی صحائف اور الہامی کتابیں زبانوں کے اصول اور الفاظ متعین کرتیں تو یقیناً اس میں ترتیب موجود رہتی۔

Quran

۲۔ اللہ نے آدم کو اسماء سکھائے لہٰذا اصولاً سب سے پہلے نام سکھائے گئے تاکہ انسان زبان سیکھ سکے اس کے بعد ہی فعل سکھائے گئے اور مکمل زبان عطا کر کے انسان کو زمین پر بھیجا گیا۔

قرآن کریم، عہد نامہ جدید اور عہد نامہ قدیم اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ زبان الہامی عطیہ تھا لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ محققین نے زبانوں کے مذہبی نظریے پر غور وفکر کی زحمت گوارا نہیں کی اور اس کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ زبانوں کے آغاز وارتقاء پر تحقیقات کا آغاز اس دور میں ہوا جب یورپ کے اندر مذہب سے بغاوت کی تحریک نشاۃ ثانیہ (Inlightment Movement) یا روشن خیالی کے نام سے برپا ہوئی تھی اور جس نے تمام سابقہ زبانوں کو قرن مظلمہ (Darkages) قرار دیا تھا۔ جس کا مختصر مطلب یہی تھا کہ انسانی تاریخ کا وہ پورا عہد جو آغاز کائنات سے لے کر سترہویں صدی کے آغاز سے پہلے کا احاطہ کرتا ہے اور جس کا بنیادی تعلق کسی نہ کسی طور پر مذہب سے رہا ہے، یہ تمام ادوار ظلمت اور تاریکی کی اتھاہ گہرائیوں میں ملفوف تھیں یعنی سترہویں صدی سے پہلے کا زمانہ جو سائنس کے مطابق بیالیس کروڑ اٹھاسی لاکھ سال کا زمانہ ہے جس کے بارے میں سائنس کچھ نہیں جانتی اس پورے زمانے کو سترہویں صدی کے مغربی مفکرین نے صرف اس لیے رد کر دیا کہ یہ پورا زمانہ مذہبی عہد تھا۔ لہٰذا زبانوں پر تحقیق کرنے والے محققین دانستہ طور پر مذہبی کتابوں سے فاصلے پر رہے۔ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ فہرست ابن ندیم جو چوتھی صدی ہجری کی عربی کتاب ہے اور بعض محققین کے مطابق غالباً دنیا کی پہلی محفوظ اور مرتب فہرست کتاب ہے، اس کتاب کا پہلا باب چوتھی صدی میں پائی جانے والی زبانوں سے متعلق تھا۔ مغربی مفکرین اور محققین نے عموماً لسانیات پر تحقیقات سترہویں صدی میں شروع کیں۔ یہ کتاب اس سے چھ سو سال قبل دنیا کے مختلف خطوں میں بولی اور لکھی جانے والی زبانوں کے بارے میں قیمتی معلومات فراہم کرتی ہے اور ان زبانوں کے رسم الخط کی بھی نشاندہی کرتی ہے لیکن اس کتاب کا حوالہ کسی محقق کے ہاں نہیں ملتا حتیٰ کہ ۱۹ویں صدی کا اہم ترین محقق سر ولیم ولسن ہنٹر اپنی کتاب A Comparative Dictionary of Non Aryan Languages of India and High Asia میں شامل تقابل لسانیات کے مقالے میں القزوینی، الادریسی ابن خرداذبہ، رشید الدین کے حوالے دیتے ہیں لیکن فہرست ابن ندیم سے صرف نظر کرتے ہیں حیرت انگیز طور پر شبلیؒ، سلیمان ندویؒ اور مولانا ابوالجلال ندویؒ کے مضامین میں بھی اس کا حوالہ نہیں ملتا اور نہ ہی اس پر نقد ونظر ہے۔ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ عصر حاضر میں لسانیات پر ہونے والے تازہ ترین کاموں میں بھی ابن ندیم کا کوئی ذکر نہیں ہے حالانکہ ابن ندیم کے انگریزی ترجمے بھی عام ہیں۔ یہ صورتحال اس اغماض یا عصبیت کا شاخسانہ تھا جس کی بنیاد سترہویں صدی میں علم، عقل، آزادی، آزادی

اظہار رائے، وسیع النظری وخیالی اور بے تعصب معاشروں کی تشکیل کے نام پر شروع کی گئی۔

زبانوں میں اشتراک اور مماثلت کے ساتھ ساتھ رسم الخط میں بھی اشتراک کی بہت سی صورتیں سامنے آئی ہیں اس حقیقت کے باوجود کہ یکساں رسم الخط مختلف زبانوں میں موجود ہے مثلاً چین اور جاپان کی زبانوں کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں اس کے باوجود ان دونوں کا رسم الخط ایک ہے۔ایک اور تحقیق جس کے مطابق اردو اور انگریزی رسم الخط ایک ہی ماخذ سے تعلق رکھتا ہے اور وہ سامی النسل ہے کیوں کہ اردو عربی رسم الخط سے ماخوذ ہے یونانی کے ابتدائی حروف تہجی، الفا، بیتا، گاما، دیلتا عبرانی ابجد کے الف، بیت، جمل اور واستھ کی ترمیم شدہ شکلیں ہیں حیرت تو یہ ہے کہ بعض انگریزی حروف کی ترکیب آج بھی عربی ابجد سے مماثلت کا اعلان کر رہی ہے۔

K	L	M	N	—	کلمن
ک	ل	م	ن		
Q	R	S	T	—	قرشت
ق	ر	ش	ت		

یہ نقطہ نظر نیا نہیں ہے۔مولانا ابوالجلال ندوی بھی اسی نقطہ نظر کے حامل ہیں مگر ان کی دلیل یہ ہے کہ تمام زبانوں کا منبع اور ماخذ وادی سندھ کی تہذیب ہے اور وادی سندھ کی زبان عربی کی ابتدائی شکل ہے۔ یونانی زبان کے بارے میں یہ کہا گیا کہ وہ لاطینی زبان سے نکلی کیوں کہ آریا پہلے یونان میں آباد ہوئے اور وہاں سے ان کا ایک گروہ اٹلی میں بس گیا انگریزی کا جرمن خاندان سے قریب اور فرانسیسی سے نسبتاً دور ہونا ظاہر کرتا ہے کہ انگریز قوم لاطینی گروہ سے پہلے جدا ہوئی اور جرمن اس کے بعد۔یورپ کے خانہ بدوش قبائل کی زبان اس بات کا اشارہ ہے کہ یہ لوگ اس زمانے میں ہندوستان سے یورپ گئے۔کشمیری زبان کی آریائی ہند سے علیحدگی یہ بتاتی ہے کہ یہاں دوسرا گروہ آباد ہوا جو بقیہ ہندو پاک کے باشندوں سے الگ تھلک اس برعظیم میں وارد ہوا تھا۔اس سلسلے میں شبلی نعمانی کا ایک مختصر مضمون انتہائی اہمیت کا حامل ہے جس میں انھوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ عربی، عبرانی سے برآمد نہیں ہوئی بلکہ عبرانی زبان عربی زبان سے نکلی ہے۔ اسی موقف کو سید سلیمان ندوی نے ارض القرآن میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔اس دلچسپ بحث سے زبانوں کے آغاز وارتقاء اور خصوصاً سامی زبانوں کی اصل کے بارے میں بعض نئے امکانات پیدا ہو سکتے ہیں۔

ہندی کے ماہر لسانیات ڈاکٹر بھولا ناتھ کھواری نے ہندوستان کی تمام زبانوں کے لیے دیوناگری رسم الخط کی زبردست وکالت کی لیکن اس وکالت کے باوجود انھوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ میں نے

ایک فرانسیسی ایک کمبوڈی اور ایک امریکی کو لے کر ہندوستان کے مختلف رسم الخط سکھانے کے لیے الگ الگ تجربے کیے ان کے نتائج درج ذیل ہیں:

۱۔ تامل تیلگو، کنڑ، ملیالم اوراڑیا کی نسبت دیوناگری رسم الخط زیادہ آسان ہے اور کم وقت میں سیکھا جاسکتا ہے۔

۲۔ دیوناگری بنگلہ اور گورمکھی میں لگ بھگ مماثلت ہے اور محنت کرنا پڑتی ہے۔

۳۔ گجراتی اور اردو رسم الخط سب سے سہل ہے

ڈاکٹر بھولا ناتھ کھواری کی یہ تحقیق ثابت کرتی ہے کہ سامی النسل زبان کا رسم الخط سب سے سہل ہے اور یہی زبان غالباً فطری زبان رہی ہوگی۔ اور دنیا کی تمام اہم زبانوں کے رسم الخط اسی سے مستعار ہیں مثلاً یونانی، انگریزی، فارسی وغیرہ وغیرہ۔

عربوں نے کبھی یہ دعوی نہیں کیا کہ ان کا یہ رسم الخط ان کی اپنی ایجاد ہے۔ وہ اسے دوسروں سے مستعار بتاتے تھے بعض جدید تحقیقات کی رو سے اسے ارامی رسم الخط سے ماخوذ قرار دیا گیا ہے۔ ارامی رسم الخط کا ماخذ فنیقی (Phoenician) رسم الخط قرار دیا گیا اور فنیقی رسم الخط کو مصری رسم الخط سے اخذ کرنے کا دعوی بھی کیا گیا۔ محققین کا اس بات پر تقریباً اجماع ہے کہ یورپی ممالک میں جتنے رسم الخط مروج ہیں یا آج سے قبل مروج رہے ہیں ان سب کا ماخذ فنیقی رسم الخط ہی تھا۔ انسائیکلو پیڈیا امریکہ کے مطابق

> It is generally agreed that writing was introduced to the western nations by the Phoenicians and it is commonly believed that the Phoenician system was based on the Egyptian.

یہ نقطہ نظر ان محققین کے اتفاق کی تردید کرتا ہے جس کے مطابق سامی رسم الخط مصری رسم الخط سے ماخوذ ہے اور مصری رسم الخط کا ماخذ فنیقی رسم الخط ہے اس تمام بحث کے نتیجے میں محققین اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ دنیا کے رسوم الخط کا مبداء خط امثالی ہے اس کی تحریر (Pictography) یا امثال نویسی کہلاتی ہے۔ یہ دعوی اسی قسم کا دعوی ہے کہ انسان نے صدیوں کی ریاضت اور لگا تار تجربات کے بعد ایک زبان ایجاد کی پھر اس زبان کے اظہار کے لیے صدیوں کی تلاش وجستجو کے بعد وسائل اور اوزار تخلیق کیے اور پھر صدیوں کی کوشش کے بعد تصویری زبان کے ذریعے ابلاغ کا قرینہ سیکھا اور پھر صدیوں کی کوششوں کے بعد تصویری زبان رفتہ رفتہ درجہ بدرجہ تحریر کی صورت میں ڈھلتی چلی گئی۔ اس قسم کے دعوے اسی وقت تسلیم کیے جاسکتے ہیں جب اس مفروضے کو یقین کے ساتھ تسلیم کیا جائے کہ خالق کائنات نے انسان کو بے زبان پیدا کیا

Quran

لیکن بے زبان جانوروں کو پہلے دن سے زبان کی نعمت سے آراستہ کیا۔ انسان جانوروں کا اور مختلف بے ساختہ آوازوں کا محتاج رہا اور محتاجی کی ایک طویل رات جو صدیوں پر محیط تھی آخر کار روشن دنوں میں تبدیل ہوئی۔ یہ تصور تاریکی اس قدر مضحکہ خیز ہے کہ اس پر یقین کرنا نشاۃ ثانیہ کے نتیجے میں ابھرنے والے یقین کے لیے تو شاید بہت آسان ہو لیکن عقل سلیم رکھنے والوں کے لیے اس مفروضے پر یقین کرنا امر محال ہے۔ اس سلسلے میں دلچسپ تجربات تین بادشاہوں نے کیے کہ انسان کی فطری زبان کیا ہے؟ اس کے لیے انھوں نے نوزائیدہ بچوں کو تنہائی میں رکھ کر ان کی زبان سننے کی کوشش کی۔

ان بادشاہوں کو انسان کی سب سے پہلی یا فطری زبان جاننے کی خواہش تھی، اس خواہش کی تکمیل کے لیے انھوں نے نوزائدہ بچوں کی جنگل میں اس طرح پرورش کرائی کہ ان کے کانوں میں کسی زبان کا کوئی لفظ نہ پڑ سکے اس قسم کے چار تجربات کیے گئے۔ قدیم مصری بادشاہ سیمائی دیکا ہوس (Psammidicahos) نے دو بچوں کو جنگل میں پرورش کرایا کچھ سال بعد یہ بچے دربار میں گئے تو ان میں سے ایک نے لفظ بیکوس کہا جو فرتحین زبان میں روٹی کو کہتے ہیں اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ فرتحین اصلی زبان ہے حالانکہ ہوا یہ تھا کہ یہ لفظ کسی دن روٹی دینے والے فرتحین خادم کے منہ سے نکل گیا تھا۔

تیرہویں صدی کی ابتدا میں شاہ فریڈرک دوم نے بھی ایسا ہی تجربہ کیا۔ لیکن یہ بچے گویائی سیکھنے سے قبل ہی مر گئے۔ پندرہ سو عیسوی کے لگ بھگ اسکاٹ لینڈ کے بادشاہ جیمس چہارم نے بھی دو بچوں کو نظر بند رکھا آخر میں انھوں نے فیصلہ کیا کہ یہ بہت اچھی عبرانی بولتے تھے۔ اکبر بادشاہ نے بھی جنگل میں کچھ بچوں کی پرورش کا اہتمام کیا مگر یہ گونگے ثابت ہوگئے۔ (صفحہ ۳۳، لسانی مطالعے، ڈاکٹر گیان چند، انڈیا ۱۹۷۳)

یہ بات حیرت انگیز ہے کہ جنگل میں پرندوں کی آوازیں سننے کے باوجود اور مختلف جانوروں کی بولیاں سننے کے باوجود بھی ان بچوں نے ان آوازوں کے اشتراک یا اختلاط اور آمیزے سے کچھ لفظ تخلیق کرنے کی کوشش نہیں کی اور وہ گونگے ہی رہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ نے انسان کو بے زبان پیدا کیا ہوتا تو انسان آج تک گونگا رہتا۔

دنیا کی معلومہ تاریخ کے مطالعے اور دستیاب آثار قدیمہ کی کھدائی کے دوران نکلنے والے کتبے اس بات کی تصدیق رہے ہیں کہ دنیا کا کوئی خطہ کوئی قوم اور کوئی تہذیب مذہبی نظریات سے، مذہبی اقدار سے خالی نہیں رہی اور دنیا کی تاریخ میں تاریخی تسلسل کے ساتھ جس چیز کا سراغ ہر جگہ ملا ہے، وہ وجودِ باری اور آخرت کے تصورات ہیں اور ان تمام تصورات میں زندگی کی فانی حیثیت ہر جگہ اس قدر نمایاں ہے جس طرح آفتاب کی تمازت۔ اس کے باوجود مغربی اور مشرقی محققین اپنی تحقیقات میں مذہبی کتابوں، کتبات،

مخطوطات، مذہبی افکار ونظریات اور عبادت گاہوں کو وہ مقام نہیں دیتے جو اس کا حقیقی تقاضا ہے۔

یہ بات بھی دنیا نے تسلیم کی ہے کہ تمام مذہبی کتابیں اور ان مذہبی کتابوں سے متعلق ادبیات اعلیٰ ادبی شہ پارے ہیں اور اخلاقیات کے موضوعات پر ان کا ورثہ مشترکہ ہے۔عہد نامہ جدید، عہد نامہ قدیم، تالمود، وید، اُپنشد، بھگوت گیتا، گرنتھ صاحب، رامائن، مہابھارت، ژند، آژند، اوستا، بدھ مت کی مقدس کتاب تری پتکا جو پالی زبان میں ہے، کنفوشس مذہب کی کتابیں Wu Ching (ووچنگ) اور Shih Shu (شی شو) اور تاؤ مت (Taoism) کی کتاب تاؤتے کیا نگ (Tao-te-Kiang) مذہبی کے ساتھ ساتھ ادبی شہ پارے بھی ہیں۔اس بات پر تمام محققین کا اجماع ہے کہ دنیا کے اعلیٰ ترین ادبی شہ پارے یا تو مذہبی کتابیں ہیں یا ان کتابوں کے زیر اثر تخلیق کیے گئے ہیں۔مثلاً رامائن، تالمود، اوستا، گیتا، الیڈ، اوڈیسے، اینائڈ، کامیڈی، فردوس گم گشتہ، فردوس بازیافتہ وغیرہ وغیرہ۔ مذہب اور ادب کی بحث مغرب میں نشاۃ ثانیہ کی تحریک کے عروج کے بعد مذہب کو زندگی سے خارج کرنے کے بعد ادبیات سے خارج کرنے کے لیے ایک زبردست تحریک کے طور پر برپا کی گئی۔آج بھی مغربی ومشرقی معاشروں میں اس بحث کی چنگاریاں پوشیدہ ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ عالمی ادبی شہ پارے مذہبی افکار ونظریات سے اپنا دامن نہیں چھڑا سکے۔ لہٰذا ادبیات کے دائرے میں عقائد، مابعد الطبعیات اور نظریات کی آمیزش کی بحث ایک بے بنیاد گفتگو ہے۔ کسی دور میں بھی تاریخ آثار قدیمہ، تہذیب کے دائرے مذہب کے سائے سے نہیں بچ سکے تو ادب کے حریم ناز میں مذہب کی گنجائش پیدا کرنے یا نہ کرنے کی بحث ایک لغو بحث کے سوا کچھ نہیں۔لاکھوں سال کی تاریخ، کائنات کے خالق سے انسان کی محبت، تعلق، راز ونیاز کی تاریخ ہے اور مذہبی افکار انسان کے رگ وپے میں خون کی طرح دوڑتے ہیں خواہ اس کا اعتراف کیا جائے یا اس سے انکار کیا جائے۔ہومر کی الیڈ اور اوڈیسے، یونانی دیوی اور دیوتاؤں کی فکر سے پیدا ہوئی۔ورجل (Vergil) کی اینائڈ روم کی تاسیس وعظمت کو منشائے ربّانی کا سبب قرار دیتی ہے۔ملٹن کی فردوس گم گشتہ اور فردوس بازیافتہ، خالص عیسائیت کے احیاء کے لیے لکھی گئی عظیم مذہبی نظمیں ہیں۔یہ تخلیقات ادبی، عالمی ادبی، فنی، جمالیاتی عروج کے ساتھ ساتھ مذہبی عقائد کا بھی نقطہ عروج ہیں۔فردوس گم گشتہ سقوطِ آدمؑ کی داستان اور عالمی ادبی شہ پارہ ہے اس کا مواد تالمودی روایات اور عیسائی چرچ کی تعلیمات سے ماخوذ ہے۔دانتے کی کامیڈی اطالوی زبان کا پہلا ادبی شاہکار تھا جس سے اطالوی زبان عہد طفولیت سے عہد بلوغ تک پہنچ گئی۔دانتے کے شہ پارے کو مابعد الطبعیاتی شہ پارہ کہا گیا۔کیوں کہ نظم کے مذہبی عناصر ڈرامائی عناصر پر غالب ہیں۔اس کامیڈی کا آخری باب انسان کی روحانی خلش کا نقطۂ عروج ہیں۔یہ حصہ الہامی ادب کا شاہکار ہے اس کی مثال کہیں اور نہیں ملتی۔اس کے

Quran

باوجود مذہبی تحریروں کولسانیاتی ارتقاء کے معاملے میں نظرانداز کرنا مغربی محققین کا تعصب ہے۔

Andrew Lang نے ۱۸۹۸ء میں مذہب کی تشکیل(The making of religion) اور ولہل اسمتھ (Wilhal Smith) نے اپنی کتاب (Origin of the idea of God) میں طویل تجربات، مشاہدات، مطالعات، معلومات اور تحقیقات کے بعد شدت کے ساتھ یہ نظریہ پیش کیا کہ قدیم ترین مذہبی عقیدہ ایک برتر ہستی کا عقیدہ تھا۔ اینڈریولینگ نے برسہابرس تک طویل سفر کر کے دنیا کے مختلف خطوں اور قوموں سے شہادتیں جمع کر کے بتایا ہے کہ ایک خدا کا عقیدہ انتہائی ابتدائی انسانوں میں پایا جاتا رہا ہے اس کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں (ابتدائی) قبائل میں دوسرے دیوتاؤں کا تصور بھی پایا جاتا ہے۔ ان تحقیقات کے نتیجے میں مذہب کو نفسیاتی فریب(Psychological illusion) یا سماجی فریب(Socialogical illusion) ثابت کرنے کی مغربی کوششیں خود ہی دم توڑ چکی ہیں۔ فراعنہ مصر جو سورج دیوتا کی پرستش کرتے تھے جن کے یہاں آخرت کا تصور موجود تھا وہ اس سفر کو آسان بنانے کے لیے مردہ لوگوں کے ساتھ مختلف اشیاء خوردونوش دفن کرتے تھے اور زندگی بعد الموت کے سلسلے میں ان دیکھے رب کے رحم وکرم کے متمنی رہتے تھے۔ یونانیوں کے یہاں بھی دیوی اور دیوتاؤں کی شکل میں مابعد الطبیعیات اور مذہبی تصورات موجود رہے ہیں۔ موت ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار تاریخ کی کسی تہذیب کے فلسفے سے نہیں ہوسکا اور خالقِ ارض وسماء کے وجود پر یقین تاریخی تواتر کے ساتھ ملتا ہے لیکن مغربی تہذیب دنیا کی تاریخ میں واحد تہذیب ہے جس کا فلسفہ جس کی مابعد الطبیعیات، جس کی علمیات خدا، آخرت اور مذہب سے انکار پر رکھی گئی ہے۔ مغربی تہذیب انسان کو مخلوق کے بجائے خالق کے درجے پر فائز کرتی ہے اسے عبد کے بجائے معبود کا درجہ دیتی ہے۔ آزادی اور آزادئ اظہار رائے کے ذریعے وہ انسان کو تمام اخلاقی اقدار سے آزاد ہونے کا پروانہ عطا کرتی ہے اور اسے یہ اختیار دیتی ہے کہ وہ جو قدر (Value) تخلیق کرنا چاہے تخلیق کرے۔ اس تہذیب کے خیال میں خیروشر کی بحث، حق وباطل کی گفتگو سب بے معنی باتیں ہیں اصل خیر، حق انسان کی خواہش ہے یہی الٰہ ہے یہی خیر ہے یعنی اصل خیر آزادی ہے جس کے ذریعے انسان اپنی شخصیت کی شناخت کائنات کی تسخیر کے ذریعے کرتا ہے۔ جس کے لیے سرمایے کی بڑھوتری ضروری ہے لہذا انسان سرمائے کا غلام ہے اور سرمائے کے سوا ہر چیز بے معنی ہے اصل حق اور خیر انسانی خواہش ہے خواہ وہ کیسی ہو اس خواہش کی تکمیل کے لیے آزادی اور سرمایہ ضروری ہے۔ لہٰذا خیر حق آزادی ان سب کی اصل مادی شکل سرمایہ (Capital) ہے انسان کا مقصد تخلیق سرمایہ کی طلب اور اس میں اضافہ ہے اس لیے مغرب میں گھریلو خواتین کو بے کار اور گھر سے باہر کام کرنے والیوں کو Working Women کہا جاتا ہے کیوں کہ وہ سرمایہ (Capital) کما رہی

Quran

ہیں۔مغربی تہذیب کا دعویٰ ہے کہ خدا مر چکا ہے اور انسان خود خدا بن چکا ہے۔اس لیے مشہور امریکی فلسفی رچرڈ رارٹی اپنی شہرۂ آفاق کتاب "Contingency Irony and Self" میں کہتا ہے کہ ہمیں اپنے اقدامات کے لیے کسی دلیل کی کوئی ضرورت نہیں اگر ہم نے کچھ غلطیاں کی بھی ہیں تو ہم نے اپنے آپ کو معاف کر دیا ہے۔تاریخی طور پر غلطیوں کی معافی کا اختیار ہمیشہ رب العالمین کے پاس رہا ہے مغربی تہذیب دنیا کی واحد تہذیب ہے جو خود اپنے آپ کو رب العالمین کے درجے پر فائز کر کے اس بات کا دعویٰ کرتی ہے کہ وہ کسی کو جوابدہ نہیں لہذا اس کا ہر قول و فعل امر حق ہے اور اس امر حق جو مطلق حق ہے اس کے خلاف تنقید اور آزادئ اظہار رائے کی اجازت مغربی فلسفیوں کے یہاں نہیں ملتی۔

اسی بنیاد پر براعظم امریکہ ۶۰ لاکھ سرخ ہندیوں کا قتل عام کیا گیا اور مشہور فلسفی ہابز اور کارل مارکس نے اس قتل عام کی مخالفت نہیں کی کیوں کہ یہ ریڈ انڈین انسان نہیں تھے۔وحشی تھے اور وحشیوں کو زندگی بسر کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی،اس تمام گفتگو کا مقصد یہ بات واضح کرنا ہے کہ ماہرین لسانیات، مذہبی تحریروں، مذہبی آثار اور مذہبی اساطیر کو اپنی تحقیقات میں کوئی مقام دینے کے روادار کیوں نہیں ہیں۔ لہذا تاریخی طور پر دستیاب مذہبی آثار اور اساطیر کی بنیاد پر زبانوں کے آغاز وارتقاء کو از سر نو سمجھنا اور سمجھانا نہایت ضروری ہے۔اس طویل بحث کے بعد جو نتائج برآمد ہوئے مختصراً درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت آدمؑ کو زمین پر زبان و بیان کی صلاحیتوں کے ساتھ بھیجا گیا۔

۲۔ آدمؑ اول کی زبان ایک تھی جو نسل میں اضافے کے بعد فطری طور پر تبدیل ہوئی۔

۳۔ اگر انسان پیدائشی طور پر بولنے کی صلاحیت نہ رکھتا تو کبھی بول نہ سکتا اور آج تک گونگا ہوتا۔

۴۔ تمام زبانوں کے حروف تہجی مشترکہ ہیں لیکن زبانیں الگ ہیں۔

۵۔ تمام زبانوں میں جنت کے لیے یکساں الفاظ ہیں۔

۶۔ تمام زبانوں میں ماں اور باپ کے لیے ملتے جلتے الفاظ ہیں۔

۷۔ تمام زبانوں میں پانی،آخرت اور قیامت کے الفاظ میں مماثلت ہے۔

۸۔ بچوں کو تنہائی میں پرورش کر کے دیکھا گیا تو وہ کوئی زبان نہ بول سکے کیوں کہ انھوں نے کسی زبان کے الفاظ نہیں سنے۔

۹۔ لہٰذا یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دنیا کی پہلی زبان ایک تھی۔ یہ آدم اول کی زبان تھی جس کی مشترکہ چیزیں ۸۲ کروڑ ۸۵ لاکھ سال کے بعد بھی باقی ہیں۔

Quran

مارشل کا ۱۹۲۴ء میں موہن جوہنجودڑو دریافت کرنے کا دعویٰ بے بنیاد ہے

چوتھی صدی ہجری میں وادیٔ سندھ کا رسم الخط زندہ تھا!

ابن ندیم کی ''الفہرست'' ماہرین آثار قدیمہ سے کیوں اوجھل رہی؟

محمد بن اسحاق ابن ندیم وراق کی کتاب الفہرست، کتابیات کے حوالے سے انتہائی اہمیت کی حامل ہے اور عربی زبان میں اس موضوع پر پہلی معلومہ کتاب ہے۔ مصنف کا تعلق چوتھی صدی ہجری کے اواخر سے ہے۔ محمد ابن اسحاق ابن ندیم وراق تھے اور اس دور کے انتہائی معزز پیشے یعنی کتابوں کی تصحیح و تربیت اور نقل و فروخت سے وابستہ تھے جس کے باعث اس دور کے تمام اہم کتب خانوں، مصنفین امراء و رؤسا کے ذاتی کتب خانوں، سرکاری کتب خانوں اور دنیا بھر کے تاجران کتب سے ان کے وسیع تعلقات تھے اور کتابوں کے بارے میں انھیں بے شمار نادر معلومات تھیں۔ ابن ندیم کی فہرست معلومات کا مخزن ہے جس میں قرآن مجید کے علوم، شاعری کے علوم، فصاحت و بلاغت کے علوم سے لے کر تاریخ، فقہ، مذاہب مسالک، فرقوں، فلسفہ، طب، جادوگری و شعبدہ بازی، کیمیا گری، ریاضی، ادیان غیر عرب پر قیمتی معلومات موجود ہیں۔ یہ کتاب اہم علوم سے متعلق اشخاص، کتابوں پر معلومات کا سمندر ہے۔ مشہور مستشرق فلوگل نے اس کتاب کو مرتب کر کے اس کا نسخہ بیروت سے شائع کیا۔ چند سال قبل ایک انگریز محقق نے اس کتاب پر انتہائی شاندار حاشیے لکھ کر اس کتاب کے مباحث کو تاریخ کی روشنی میں صیقل کر دیا ہے۔ یہ کتاب ۳۷۷ ہجری میں لکھی گئی اور مصنف نے ۳۰ رشعبان ۳۸۵ ہجری کو وفات پائی۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ لسانیات، کتبات، آثار قدیمہ پر لکھنے والے محققین نے خواہ وہ مشرق کے ہوں یا مغرب کے اپنے علمی و تحقیقی کام میں ابن ندیم کی فہرست کا حوالہ نہیں دیا جو انتہائی تعجب انگیز بات

Quran

ہے۔ابن ندیم نے کتاب کے آغاز میں لکھا ہے کہ ''یہ عرب وعجم کی ان تمام کتابوں کی فہرست ہے جو عربی اور اس کے رسم الخط پر مشتمل ہے۔اس میں ان کتابوں کے علوم مصنفین ،طبقات ،مولفین ان کے انساب ،تاریخ ولادت جائے قیام اور مناقب ونقائص کے بارے میں اس وقت سے معلومات فراہم کیے گئے ہیں جب سے وہ علوم ظہور میں آئے اور ہمارے زمانے ۳۳۷ ہجری تک پائے جاتے ہیں''۔

ابن ندیم کے اس اقتباس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب کس قدر اہمیت کی حامل ہے اور ۳۷۷ ہجری تک دنیا بھر میں موجود زبانوں،علوم،شخصیات،فنون، مذاہب اور مختلف اہم علمی،فکری وتحقیقی مباحث کے بارے میں یہ کتاب معلومات کے دریچے وا کرتی ہے۔اس کتاب میں عمرانیات، بشریات اور آثار قدیمہ کے حوالے سے بھی بڑی دلچسپ وعجیب وغریب معلومات نظر آتی ہیں اور ان توہمات کا بھی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے جو دنیا کی مختلف قوموں میں موجود تھیں اور حیرت انگیز طور پر وہ توہمات اور اس سے متعلق رسومات آج بھی مسلمانوں سمیت دنیا کے تمام طبقات مذاہب اور غیر مذہبی گروہوں میں موجود ہیں۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مولانا الجلالؒ ندوی نے بھی اپنی تحقیقات میں ابن ندیم کا کوئی حوالہ نہیں دیا نہ ہی اس کی تحقیق پر نقد کیا نہ اس کا رد کیا۔ یہ کتاب دس مقالات پر مشتمل ہے۔اس کتاب کا پہلا مقالہ ''لغات اقوام عرب وعجم،ان کے اسلوب تحریر،رسم الخط اور انداز کتابت'' کا بھرپور طریقے سے احاطہ کرتا ہے۔ابن ندیم نے اس موضوع کو مقالہ اول کے طور پر تحریر کرتے ہوئے ایک ذیلی سرخی ''پہلا فن'' کے نام سے دی ہے جس کی مصلحت یہ ہے کہ رسم الخط اور کتابت کے بغیر علم کا فروغ ممکن ہی نہیں لہٰذا ابن ندیم نے اپنے پہلے مقالے میں زبانوں کے آغاز وارتقاء کے بارے میں مختلف روایتیں بیان کی ہیں۔پھر خط سریانی، خط فارسی،خط پہلوی،خط دری،خط عبرانی،خط عربی،روسی خط،خط رومی،چینی خط،خط سودانی،خط رومی،خط فرنگی کا تفصیل سے تذکرہ کیا ہے۔

اس مقالے میں ہندوستان کے لوگوں کے فن کتابت کا بھی جزوی تذکرہ ہے۔ابن ندیم نے اس مقالے میں وادیٔ سندھ کے رسم الخط اور یہاں کی مختلف زبانوں اور مذاہب کے بارے میں بھی چند جملے تحریر کیے ہیں۔انھوں نے وادیٔ سندھ کے رسم الخط اور دنیا میں اس وقت پائے جانے والے تمام رسم الخط کے نمونے بھی دیے ہیں مختلف زبانوں کے دیئے گئے نمونوں کا موازنہ جب آج کل ان زبانوں کے موجودہ رسم الخط سے کیا گیا تو اس میں کوئی مطابقت محسوس نہیں ہوئی۔لیکن وادیٔ سندھ کے رسم الخط کے حوالے سے ابن ندیم نے وادیٔ سندھ کی مہروں کی چار مختلف تحریریں نقل کی ہیں۔ان تحریروں کے نقوش جان مارشل کے دریافت کردہ مہروں کے نقوش سے ملتے جلتے ہیں۔ابن ندیم کا بیان ہے کہ وادی سندھ میں دوسو اسالیب

Quran

کتابت رائج ہیں، وہاں کے لوگ مختلف زبانوں اور مختلف مذاہب کے حامل ہیں۔ابن ندیم نے اس رسم الخط کے حروف تہجی بھی تحریر کیے ہیں اور نقطوں کے اضافے سے اس خط میں حروف معجم کی تکمیل کا طریقہ بتایا ہے۔ مختلف زبانوں کے رسم الخط جو ندیم نے دیئے غالباً یہ خط ابن ندیم کے مخطوطے کے نقل در نقل ہونے کے باعث وراق کے ہاتھوں تبدیل ہو گیا۔دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ ایک ہزار سال کی مسافت کے باعث رسم الخط خود تبدیل ہو گئے ہوں۔یہ تحقیق کا موضوع ہے جس پر تحقیق کی ضرورت ہے۔

ابن ندیم نے اپنی کتاب میں بعض ایسے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں جو آج کل کی عربی میں مستعمل نہیں ہیں۔اس نے بعض ایسے شہروں کے نام بھی تحریر کیے ہیں جن کا سراغ ماہرین کو جغرافیے میں نہیں مل سکا مثلاً زرزق، بلغر، موریہ، قرنکت، استان ممکن ہے کہ کاتبوں نے مخطوطے کی کتابت کرتے کرتے لفظوں میں تحریف کر دی ہو لیکن شہروں کے نام ہوسکتا ہے کہ امتداد زمانہ کے باعث کچھ سے کچھ ہو گئے ہوں۔اس موضوع پر بھی تحقیق کی ضرورت ہے۔لسانیات کے حوالے سے مغربی ماہرین کا شاندار کام ۱۸ویں صدی میں شروع ہوا اور اس کے بعد اس میدان میں تحقیق کا دائرہ وسیع تر ہوتا رہا لیکن ابن ندیم نے ۱۸ویں صدی سے سات سو سال پہلے لسانیات کے مباحث کو اپنی کتاب کا موضوع بنایا لہٰذا لسانیاتی تحقیقات کے ہر جائزے میں ابن ندیم کا حوالہ آنا چاہیے لیکن ایسا کیوں نہ ہوا۔یہ انتہائی اہم نوعیت کا سوال ہے۔ندیم کا حوالہ نہ مغربی ماہرین کے یہاں ملتا ہے نہ مشرقی ماہرین کی کتابوں میں۔

چوتھی صدی ہجری کے ابن ندیم کی کتاب کے بعد ہم وادیٔ سندھ واپس چلتے ہیں جہاں ۲۱۔۱۹۲۰ء میں سرجان مارشل کی زیر ہدایت ہڑپہ اور موئن جوداڑو میں آثار قدیمہ کی کھدائی شروع ہوئی اور وادیٔ سندھ کی مہریں ان کھدائیوں سے برآمد ہوئیں۔اس کے بعد وادی سندھ کا رسم الخط ماہرین آثار قدیمہ کی تحقیق کا خاص موضوع بن گیا۔سرجان مارشل کی کتاب "Mohenjo Daro & the Indus Civilization" ۱۹۳۱ء میں شائع ہوئی تو اس میں وادیٔ سندھ کی مہروں کے نقوش بھی شائع کیے گئے۔ عراق اور عیلام کے ماہرینِ آثار قدیمہ نے بھی ایسی کئی مہروں کی نشاندہی کی جو سندھی مہروں کے مماثل تھیں اس کے بعد سوسا اور کش کے کھنڈرات سے ایسی مہریں برآمد ہوئیں جو سندھ کی مہروں سے گہری مماثلت رکھتی تھیں۔ماہرین آثار قدیمہ کی رائے یہ تھی کہ سندھ سے مصنوعات کی تجارت کا دائرہ عراق تک محیط تھا لہٰذا سندھ کی مہریں وہاں ان تاجروں کے ذریعے پہنچیں جو تجارت وغیرہ میں مصروف تھے۔اس لحاظ سے سرجان مارشل کو پہلا ماہر آثار قدیمہ قرار دیا گیا جس نے وادیٔ سندھ کے رسم الخط کے نمونے شائع کر کے دنیا بھر کو اپنی طرف متوجہ کیا لیکن سرجان مارشل سے آٹھ سو سال قبل محمد بن اسحاق ابن ندیم نے اپنی کتاب الفہرست

Quran

کے پہلے مقالے میں سندھ کے رسم الخط کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور اس رسم الخط کے چار نمونے بھی تحریر کیے ہیں۔ ابن ندیم کے دیئے گئے نقوش کا موازانہ مارشل کے نقوش سے کیا گیا تو ان میں کوئی خاص فرق محسوس نہیں ہوا جس کا مطلب یہ ہے کہ جزیرۃ العرب کے لوگ ۳۷۷ ہجری میں وادیٔ سندھ کے رسم الخط اور اس رسم الخط کے نقوش و علامات سے بخوبی واقف تھے۔ وادیٔ سندھ کا یہ قدیم رسم الخط اس وقت بھی اہل عرب کے لیے معروف تھا لہٰذا اس سوال پر دوبارہ غور کرنے کی ضرورت ہے کہ وادیٔ سندھ کی تہذیب اور زبان اگر کئی صدیوں پہلے دنیا سے نابود ہو چکی تھی اور وادیٔ سندھ کی تہذیب اور اس کا رسم الخط چوتھی صدی ہجری میں موجود نہیں تھا تو ابن ندیم کی رسائی اس رسم الخط تک کیسے ہوئی؟ اس تحقیق کے نتیجے میں یہ معمہ بھی حل ہو سکے گا کہ بحرالکاہل کے جزائر ایسٹر کا رسم الخط جو اٹھارویں صدی کے آخر تک مستعمل تھا اور وادیٔ سندھ کے رسم الخط سے مماثل تھا کیوں محفوظ رہا؟

ذیل میں ہم ابن ندیم کی کتاب الفہرست سے سندھ کے رسم الخط کے بارے میں ابن ندیم کی تحقیق اور رسم الخط کے نمونے پیش کر رہے ہیں:

خطِ سندھ

یہاں کے لوگ مختلف زبانوں اور مختلف مذہبوں کے حامل ہیں اور ان کے ہاں گوناگوں اسالیبِ کتابت رائج ہیں۔ جو لوگ ان کے شہروں میں آمد و رفت رکھتے ہیں، ان میں سے ایک شخص نے مجھے بتایا کہ ان کے اسالیب کتابت دوسو کے قریب ہیں۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ میں نے وہاں کے پایۂ تخت میں سونے کا ایک بت دیکھا، کہا جاتا ہے کہ وہ بدھ کا مجسمہ ہے۔ وہ ایک ایسا شخص ہے جو کرسی پر بیٹھا ہے اور اس کے ایک ہاتھ کی انگلیاں عقدِ انامل کے مطابق تیس کے عدد کو ظاہر کر رہی ہیں۔ اس کرسی پر جو کچھ مرقوم ہے اس کا نمونہ یہ ہے:

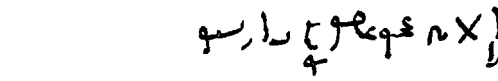

مذکرہ بالا شخص نے یہ بھی بتایا کہ ان کے اکثر لوگ نو حروف سے لکھتے ہیں، جس کا نمونہ یہ ہے:

جس کا آغاز الف، ب، ج، د، ہ، و، ز، ح، ط سے ہوتا ہے۔ جب ط پر پہنچتے ہیں تو پہلے حروف پر

Quran

لوٹ آتے ہیں اور اس کے نیچے اس طرح ایک نقطہ ڈال دیتے ہیں۔

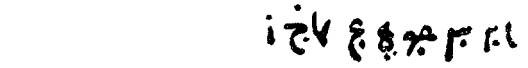

اور اس طرح وہ ی، ک، ل، م، ن، س، ع، ف، ص ہو جاتے ہیں اور یوں گویا دس حروف پر دس کا اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ پھر جب ص تک پہنچتے ہیں تو اس طرح لکھتے ہیں کہ ہر حروف کے نیچے دو نقطے ڈالتے چلے جاتے ہیں۔ مثلاً

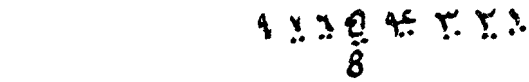

اس انداز سے یہ ق، ر، ش، ت، ث، خ، ذ، ف، ظ ہو جاتے ہیں اور جب ظ پر پہنچتے ہیں تو حرف اول کے نیچے جو اصل میں (ا) ہے اس طرح (..آ.) تین نقطے ڈال دیے جاتے ہیں۔ اس ترتیب سے تمام حروف معجم کی تکمیل ہو جاتی ہے اور ان کی مدد سے جو چاہتے ہیں لکھتے ہیں۔

حوالہ جات

مزید مطالعے کے لیے

NADVI, H. Translation of Al Fahrist Muhammad bin Ishaq Ibn-e-Nadeem, Islamic Culture Institute, Lahore 1969.

ARBERRY J., ABUL ALA MAUDUDI, DARYABADI M., ALI A. Translations of the Holy Quran.

SIDDIQUI N., Mohsin-e-Insaniyat, History of Prophet Muhammad (P.B.U.H) Lahore 1984.

NOMANI S. Seerat-un-Nabi (P.B.U.H), 7 Volumes Karachi 1996.

"JAREEDA" No. 21, of the Bureau of Composition, Compilation & Translation, University of Karachi, Special Number on "Linguistics"

"JAREEDA" No. 22, of the Bureau of Composition, Compilation & Translation, University of Karachi, Special Number on "Ancient Languages and Inscriptions".

"JAREEDA" No. 23 and 24, of the Bureau of Composition, Compilation

Quran

& Translation, University of Karachi, Special Number on "Philosophy of Languages".

JAREEDA 25, 26 and 28, on Dictionary of obscure words of Urdu Language Volume I, II, III.

MARSHALL, Sir John, 1931. *Mohenjo-daro and the Indus Civilization (3 vols.,* London).

MERIGGI, P., 1969. Altsumerische und Proto- Elamische Bilderschrift, *Zeitschrift der Deutschen Morgenlandischen Gesellschaft.*

BURROW, E., 1935. *Ur Excavations, Texts,* II: *Archaic Texts* (London).

Quran

Quran

Quran

Quran

Quran

Quran

Quran

Quran

Quran

Quran

Quran

Quran